رجسٹرڈ انگلشیہ نمبر

رجسٹرڈ آصفیہ نمبر (۱۸۱)

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

مملکت

ایڈیٹر

میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

شرح چندہ
سالانہ ...... ے
ششماہی ...... ے
سہ ماہی ...... عـ

شرح چندہ
سالانہ ...... ے
ششماہی ...... ے
سہ ماہی ...... عـ

قیمت پرانا پرچہ (۴)

قیمت فی پرچہ (۲)

جلد (۳) | ۲ شہریور ۱۳۵۲ف | ۷ رجب ۱۳۶۲ھ | ۱۰ جولائی ۱۹۴۳ء شنبہ | نمبر (۱۳)

موجودہ جنگ ایک عالم گیر انقلاب ہے

اقوام عالم کی آزادی

قائدین اقوام متحدہ کے آرا۔

سکورسکی

جنرل سکورسکی وزیر اعظم پولینڈ نے ۲ جولائی ۱۹۴۳ء کو کہا کہ:-

دوسری عالم گیر جنگ جو جرمنی نے برپا کی ہے اس لفظ کے اصطلاحی مفہوم سے زیادہ ایک غیر معمولی جنگ ہے۔ یہ ایک عالم گیر انقلاب ہے جس کے نتائج گہرے اور مستقل طور پر ساری دنیا میں محسوس کئے جائیں گے نسلوں، اقوام اور طبقات کی یہ کشمکش ایک نظام نو کی تولید کا باعث ہوگی اور یہ نظام نو ایسے اعلیٰ انسانی اقدار پر مبنی ہوگا جو دنیا کے مستقبل کو متعین کریں گے۔

جوزف اسٹالن

جوزف اسٹالن نے ۶ نومبر ۱۹۴۱ء کو کہا کہ:-

ہٹلر کے جرمنی کے برخلاف سوویٹ روس اور اس کے متحدین آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ یہ وہ جنگ ہے جو یورپ کی متحدہ اقوام کی آزادی اور سوویٹ روس کو ہٹلر کے ظلم و تعدی سے بچانے کے لئے لڑی جا رہی ہے۔ اس لئے تمام دیانت دار شخص سوویٹ روس، برطانیہ عظمیٰ اور دیگر متحدین کی افواج کی تائید کرتی چاہئے کیونکہ آزادی کی فوجیں ہیں۔ ہمارا مقصد جنگ دوسرے ممالک پر قبضہ کرنا یا دوسری قوموں پر فتح پانا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ اقوام و ممالک یورپی ہوں یا ایشیائی۔

ہمارا یہ مقصد جنگ ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی مرضی یا اپنے نظام حکومت کو سلافی اقوام یا یورپ کی مغلوب اقوام پر مسلط کریں جو ہماری امداد کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہمارا مقصد ان اقوام کو ہٹلر کے ظلم و تعدی سے نجات حاصل کرنے کی کشمکش میں مدد دینا ہے اور ان کو ایسی آزادی دلانا ہے کہ وہ اپنے وطن میں اپنی زندگی آزادی کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق بسر کر سکیں۔

روس کا پہلا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی سرزمین کو پہلے آزاد کرائے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ یورپ کی مغلوب اقوام کو آزادی دلائے تاکہ ان کے اندرونی معاملات میں کسی بیرونی مداخلت کے بغیر اپنی قسمتوں کا فیصلہ کر سکیں۔

میجر اٹیلی

میجر اٹیلی نائب وزیر اعظم برطانیہ ۵ نومبر ۱۹۴۲ء کو کہا کہ:-

ایک ایسی خود ساختہ غالب قوم کے تصور کے خلاف جس کے مقابلے میں دیگر اقوام کمتر اور محکوم ہیں ہم اقوام کی جمہوریت کے علمبردار ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آزاد قومیں آزادی کے ساتھ اشتراک عمل کریں اور مشترکہ نشوونما میں حصہ لیں۔ لیکن ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جس طرح کسی مملکت یا شہر میں کسی فرد کی آزادی قانون کے ذریعہ محفوظ کی جاتی ہے اسی طرح جدید دنیا میں جہاں بعد مکانی کی کوئی اہمیت نہیں کسی ملک کی مرضی کو ایک بین الاقوامی قانون سے تابع رکھنا آزادی کی شرط اولین ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ایسے نظام کو تشکیل دینا ہے جس کے ذریعہ سماجی اور سیاسی آزادی محفوظ رہے۔

پریسیڈنٹ روزولٹ

پریسیڈنٹ روزولٹ نے ۶ جنوری ۱۹۴۱ء کو کہا کہ:-

مستقبل میں ہم ایک ایسی دنیا کا انتظار کر رہے ہیں جو چار اہم انسانی آزادیوں پر مبنی ہو۔ اول دنیا کے ہر گوشے میں تقریر اور اظہار خیال کی آزادی۔ دوسرے اپنے طریقہ پر خدا کی عبادت کرنے کی آزادی۔ تیسرے احتیاج سے آزادی یعنی ایسا معاشی سمجھوتہ جس کے ذریعہ دنیا کی ہر قوم صحت بخش اور پرامن زندگی بسر کر سکے۔ چوتھے خوف سے آزادی یعنی اس حد تک اسلحات کی تخفیف کہ کوئی قوم اس حیثیت میں نہ رہے کہ وہ دوسری قوم پر حملہ کر سکے۔ یہ کوئی مستقبل بعید کا خواب نہیں ہے۔ ایک قطعی بنیاد ہے جو ہمارے ہی زمانے میں وجود میں آئے گی۔ اس قسم کی دنیا اس نظام جبر و تعدی کی ضد ہے جو بمباری کے ذریعہ آمر وجود میں لانا چاہتے ہیں۔

چنکائی شک

جنرل چنکائی شک نے ۱۵ دسمبر ۱۹۴۲ء کو کہا کہ:-

موجودہ جنگ میں ہم اور ہمارے متحدین نے جو مقصد اپنے سامنے رکھا ہے وہ آزادی اور انسانیت و تمدن کی حفاظت ہے۔ ہمیں کسی واحد قوم یا ملک کی خود غرضیوں سے سروکار نہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ تمام اقوام کے مفادات کو مناسب اہمیت دی جائے۔

ہفتہ وار مملکت

جلد ۳ | ۳ شہریور ۱۳۵۲ف | نمبر ۱۲

حکومت کی آزمائش کا وقت

مولوی لائق علی صاحب صدر ایوان تجارت و صنعت کی یادداشت پڑھنے کے بعد ہم پر جو پہلا ذہنی ردعمل ہوا یہ تھا کہ کاش مولوی لائق علی صاحب اس یادداشت کو اپنے نام سے موسوم نہ کرتے۔ اہل ملک کے قلوب میں مولوی لائق علی صاحب کے لئے ایک خاص جگہ تھی۔ حیدرآباد کو صنعتی پستی سے ابھارنے میں چونکہ آپ نے عملی اقدام کیا تھا اس لئے آپ کو رجال اول کے معماران ملک میں شمار کیا جاتا تھا۔ لیکن اس یادداشت کی اشاعت کے بعد سے یہ شبہ پیدا ہو گیا ہے کہ مولوی لائق علی صاحب کے نزدیک ملک کے عام اور وسیع تر مفاد سے زیادہ ذاتی مفاد اہم ہے۔ ہم اب بھی مولوی لائق علی صاحب سے یہ حسن ظن رکھتے ہیں کہ جو خیالات اس یادداشت میں پیش کئے گئے ہیں وہ ان کے نہیں معلوم ہوتے بلکہ چند بڑے اور ذہین سرمایہ داروں نے مولوی لائق علی صاحب کو عوام کی نظروں سے گرانے کے لئے انہیں پیش پیش کر دیا ہے۔ اگر مولوی لائق علی صاحب اس گہری چال سے بچ کر نکل جائے تو خود ان کے لئے اور ان صنعتوں کے لئے اچھا ہوگا جو ان کے تحت چلائی جا رہی ہیں۔

مغالطہ خیز استدلال

اس یادداشت کے متعلق ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر اس کی تصویر زیادہ بہتر رنگوں کے پیرایہ میں کی جاتی تو اچھا ہوتا۔ اس میں جتنے دلائل پیش کئے گئے وہ خود ایوان تجارت و صنعت کے مفاد کے خلاف پڑتے ہیں۔ مثلاً مولوی لائق علی صاحب نے برطانوی ہند کی کئی سو کمپنیوں میں سے چند انتہائی مالدار کمپنیوں کو منتخب کر کے مدات محفوظ کی قوت کا کافی ثبوت دینے سے یہ استدلال پیش کیا ہے کہ برطانوی ہند کی کمپنیاں محاصل کے بوجھ کو برداشت کرنے کے قابل ہیں لیکن حیدرآباد کی نو خیز کمپنیاں جن کے مدات محفوظ نا کافی ہیں کسی محصول کا بار برداشت نہیں کر سکتیں۔ سطحی نظر سے دیکھنے والوں کے لئے یہ دلیل ممکن ہے وقیع معلوم ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ مولوی لائق علی صاحب نے اس حقیقت کا اخفا کیا ہے کہ برطانوی ہند میں سالہا سال سے تجارتی کمپنیاں مختلف قسم کے ٹیکس ادا کر رہی ہیں جیسے انکم ٹیکس، سوپر ٹیکس، سرچارج اور زائد نفع اندوزی کا ٹیکس۔ آخر الذکر یعنی زائد نفع اندوزی کا ٹیکس جدید ترین ٹیکس ہے جو تین سال قبل نافذ ہوا بقیہ محاصل انڈین فسکل کمیشن کی سفارشات کی بنا پر ۱۹۲۲ء سے نافذ ہیں۔ یاد ہوگا کہ اس کمیشن میں سر ابراہیم رحمت اللہ اور سر پرشوتم داس ٹھاکر داس جیسے سرمایہ دار بھی شریک تھے۔ اس طرح گزشتہ (۲۲) سال سے برطانوی ہند کی کمپنیاں مختلف قسم کے ٹیکس ادا کرتی آ رہی ہیں۔ غور طلب امر یہ ہے کہ اتنے کثیر اور مختلف النوع محاصل ادا کرنے کے باوجود جب برطانوی ہند کی کمپنیاں زبردست مدات محفوظ جمع کر سکتی ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سرکاری محاصل کی ادائی صنعت و تجارت پر مضر اثرات نہیں ڈالتی۔

محصول اندازی کا مقصد

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ صنعتوں پر کسی قسم کا بھی ٹیکس عائد کرنا کیوں ضروری سمجھا جاتا ہے جبکہ ملک کا یہ متفقہ مطالبہ رہا ہے کہ صنعتوں کو فروغ دیا جائے اور ان کی ترویج کے لئے آسانیاں فراہم کی جائیں۔ اس کا جواب معاشیات کا ہر مبتدی دے سکتا ہے۔ یہ ہے کہ صنعتوں اور بڑے سرمایہ کی تجارتوں میں دولت کو سمیٹنے کی صلاحیت اور قوت ہوتی ہے۔ اور ملک کی دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں آ جاتی ہے۔ حکومتیں ٹیکس کے ذریعے اس دولت کو عوام کی طرف لوٹاتی ہیں اور سرمایہ دار بخوشی اس ٹیکس کو ادا کرتے ہیں کہ اس ذریعے ایک طرف عوام کی ہمدردیاں اور دوسری طرف حکومت کی تائید حاصل ہوتی ہے۔ ٹیکس کی یہ عام اخلاقی بنیاد ہندوستان جیسے غریب ملک میں اس وجہ سے بھی خاص اہمیت رکھتی ہے کہ ہندوستان میں ایک سرمایہ دار کے معیار زندگی اور ایک عام مرد کے معیار زندگی میں بہت بڑی خلیج حائل ہے اور اس خلیج کو پاٹنے کا ذریعہ ایسے ہی محاصل ہوتے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ مولوی لائق علی صاحب کی یادداشت کی تردید میں ہمیں ایک ایسے اصول کے اعادہ کی ضرورت لاحق ہوئی جس سے ہر معمولی تعلیم یافتہ شخص واقف ہوتا ہے۔

حیدرآباد کی صنعت گری اور مولوی لائق علی صاحب

یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہاں کی صنعتوں میں حکومت سرکار عالی کا وافر سرمایہ شریک ہے۔ یہ بات فطرت انسانی کے خلاف ہے کہ حکومت اپنی بنائی ہوئی صنعتوں کو آپ ہی بگاڑ دے۔ کیا مولوی لائق علی صاحب اس امر سے واقف نہیں ہیں کہ مابعد جنگ تنظیم کے سلسلہ میں حکومت نے جو کمیٹیاں تشکیل دی ہیں ان میں بڑے سے بڑا درجہ یہاں کی صنعتوں سے متعلق بھی ایک کمیٹی ہے اور اس کام کے لئے ایک نئی معتمدی کا قیام بھی عمل میں آیا ہے۔ اگر مولوی لائق علی صاحب اس بات سے بے خبر ہیں تو وہ براہ کرم محکمہ امداد و کار رسانی معلومات حیدرآباد کو ضرور پڑھیں۔ یہاں اس بات کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا کہ دنیا کے نقشہ پر صرف حیدرآباد ہی ایسا ملک ہے جہاں کا نظم و نسق غریبوں کے ادا کردہ محاصل سے چلایا جاتا ہے اور اس نظم و نسق کے فوائد سے سرمایہ دار طبقہ کوئی ٹیکس ادا کئے بغیر پوری طرح متمتع ہوتا ہے۔ اخلاقی اصولوں کا شعور رکھنے والوں کو اس افسوسناک حقیقت پر تنہائی میں اور ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے۔

کمزور مقدمہ

مولوی لائق علی صاحب کی یادداشت اور ایوان تجارت و صنعت کی منظور کردہ قرارداد پڑھنے کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہونچے ہیں وہ یہ ہے کہ ملک کا سرمایہ دار طبقہ محصول زائد نفع اندوزی کے خلاف کوئی قابل قبول عذر تیار نہ کر سکا۔ یہ طبقہ مخالفت کی ایک جھلک دکھا کر حکومت سے سودا کرنا چاہتا ہے جس کے شرائط ترمیمات کی صورت میں اس قرارداد میں پیش کئے گئے ہیں۔ اور کوئی ترمیم ایسی نہیں ہے جو فہم عامہ کے نزدیک وقیع قرار پا سکے۔ ساری کوشش یہ ہے کہ شرح محصول گھٹائی جائے، ادائی محصول میں دو مہینے کی مہلت دے اور افسر ٹیکس اور ادا کنندۂ ٹیکس کے مابین اختلاف رائے ہو تو اس معاملہ کو عدالت سے رجوع کرنے کے بجائے ایک ایسی مجلس کے سپرد کیا جائے جس میں سرمایہ داروں کے نمائندے بھی شریک ہوں۔ آخر الذکر تجویز کے متعلق یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ سرمایہ داروں کی باہمی رقابتیں کسی مجلس کو بے لوث اور بے غرضانہ فیصلہ دینے کے قابل نہ رکھیں گی۔ کون نہیں جانتا کہ سرمایہ داروں کے مابین منافستیں بھی ہیں اور رقابتیں بھی۔ اب رہ گئے سود اور مہلت ادائی کا سوال۔ اول الذکر کی نسبت صرف اس حقیقت کا اعادہ کافی ہے کہ حکومت ان سرمایہ داروں کے لئے عام منافعوں کے علاوہ زائد منافع میں (۶۰) فی صد چھوڑ رہی ہے۔ کیا ہندوستان کا کوئی اور خطہ اس فیاضی کی مثال پیش کر سکتا ہے؟ رہا مہلت ادائی کا مطالبہ، یہ ایک ایسی چھوٹی بات ہے کہ اگر یہ چند سرمایہ دار اس کا ذکر اپنی قرارداد میں نہ کرتے تو ان کی سبکی یقیناً نہ ہوتی۔

یادداشت اور قرارداد کے ابتدائی حصے

میں صنعتوں کی انتہائی تباہی کا جو رونا رویا گیا ہے وہ قطعاً قابل اعتنا نہیں۔ ایوان تجارت و صنعت

سودہ قانون میں ترمیمات پیش کرکے یہ ثابت کردیا ہے کہ وہ قانون محصول زائد نفع اندوزی کے اصول اور اسپرٹ اور اس کے جواز کو تسلیم کرتا ہے۔ سرمایہ دار یہ جانتے ہیں کہ محصول زائد نفع اندوزی کی مخالفت کے لئے ان کے پاس کوئی اخلاقی بنیاد یا ٹھوس معاشی وجوہ موجود نہیں ہیں۔ اگر قانون کی کامیاب مخالفت کا کافی مواد یہ طبقہ اپنے پاس رکھتا تو نا ممکن تھا کہ وہ ترمیمات پیش کرتا۔ مولوی لائق علی صاحب کی یادداشت کی انتہا پسندی سے ہٹ کر ان سے کافی بحث و تمحیص کے بعد منظور کی گئی ہیں۔ ان کو مسرت ہوئی کہ ایوان تجارت جیسی ترقی پسند انجمن بھی ان کے ساتھ ہے اور قرارداد ووٹوں کی مخالفت کی اور اس بات پر زور دیا کہ مجوزہ محصول قبول کرلیا جائے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی لائق علی صاحب کا نقطۂ نظر ملک کے تاجروں اور سرمایہ داروں کا نقطۂ نظر نہیں ہے بلکہ مولوی لائق علی صاحب صرف اس مختصر گروہ کی ترجمانی کررہے ہیں جو نفع اندوزی کے باوجود غریبوں کی امداد کا مخالف ہے۔

مخالفت کے بعض دلچسپ وجوہ

اس ضمن میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ محصول زائد نفع اندوزی کے مخالفین میں کتنے ایسے ہیں جن کا سالانہ منافع (۲۰) ہزار سے زیادہ ہے جس پر سرسری ملاحظے سے جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ مخالفین میں اکثر ایسے ہیں جن پر قانون کا اطلاق نہیں ہوتا مثلاً مولوی محمد حبیب الدین صاحب اور ان کے مسلم تاجروں کا وہ گروہ جو سرمایہ داروں کی تعریف میں نہیں آتا۔ مولوی خواجہ بہاؤ الدین صاحب "مسلم تاجروں" کو ایک ایسے خطرے سے بچانے کی کوشش کررہے ہیں جس کا وجود ہی نہیں ہے۔ پس اس تمہید میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب اس میدان میں اتر آئے ہیں کہ مجلس اتحاد المسلمین نے عوام کی بہبودی کے لئے محصول زائد نفع اندوزی کی پرزور تائید کی ہے۔ یہی حال چند تاجروں کا بھی ہے۔ ان کی اکثریت بھی قانون کے اثر سے محفوظ ہے۔ اگر بڑے بڑے ساہوکار تحریک کو دور کرکے ان چھوٹے چھوٹے تاجروں کو مطلع کردیتے کہ قانون کے خلاف اپنی آواز بلند کرنے کی کوشش نہ کرتے تو شاید آوازیں ... ہجوم میں مخالفین کی رائے نقار خانہ میں طوطی کی آواز بن کر رہ جاتی۔

اس سلسلہ میں مولوی ابوالحسن سید علی صاحب کا بیان پڑھ کر ہمیں کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ مولوی صاحب موصوف محصول زائد نفع اندوزی کے مخالف بھی معلوم ہوتے ہیں اور موافق بھی۔ اس تضاد اور دورنگی کی وجہ دریافت کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ مجلس اتحاد المسلمین کے ایک رکن عاملہ ہونے کی حیثیت سے مولوی صاحب موصوف نادار

کی حمایت کرتے رہے لیکن متعدد کمپنیوں کے ایک بڑے حصہ دار، ڈائرکٹر اور مشیر قانونی کی حیثیت سے مجلس اتحاد المسلمین کی قرارداد کے خلاف سرمایہ داروں کی حمایت پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ یہی دورخی آپ کے حالیہ تحریری بیان میں جھلک رہی ہے۔ مولوی صاحب کو چاہئے کہ وہ یا تو سرمایہ داروں کی طرف ہوجائیں یا ناداروں کے ساتھ ہوجائیں یا مشیر قانونی کے ساتھ رہیں تاکہ ان کا موقف ہم اچھی طرح سمجھ سکیں۔

ہمارے خیال میں یہ بات شک کے بغیر ایک فال نیک ہے کہ جب سے محصول زائد نفع اندوزی کا مسئلہ زیر بحث آیا ہے ملک میں رائے عامہ دو گروہ میں منقسم ہوگئی ہے۔ ایک گروہ ناداروں کا ہے اور دوسرا سرمایہ داروں کا۔ اب یہ گروہ بندی فرقہ وارانہ بنیادوں پر نہیں ہورہی ہے بلکہ اب یہ گروہ بندی معاشی بنیادوں پر ہوتی ہے۔ سرمایہ دار حضرات جو ان کے زیر اثر ہیں ایک طرف ہوگئے ہیں اور نادار و غریب عوام دوسری طرف۔ اگرچہ ناداروں اور غریبوں کی بہت بڑی اکثریت ہے تاہم ان کو سرمایہ داروں کے مختصر سے گروہ کی کثیر دولت اور اثر سے سابقہ پڑ رہا ہے۔ یہ وقت حکومت کے لئے بھی آزمائش کا وقت ہے۔

مولوی صاحب نے خانہ دار استحصال اس کو اس بات کی ترغیب دی ہے کہ وہ مشکل خیز کرنسی نوٹوں کو اپنے قبضہ سے دست بردار ہو جائیں کیونکہ وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ مجوزہ محصول اندوزی کے بعد بھی صنعتوں کے لئے کافی وسائل باقی رہیں گے جس کی بدولت وہ ہمیشہ اپنے عظیم منافع کے ذخائر کو برقرار رکھ سکیں گے جو کافی مستحق ہیں۔ محصول زائد نفع اندوزی کا مسودہ قانون محض ہے، خواہ جس صورت میں نکلے۔ صدر المہام فینانس کو اس بات کا یقین ہے کہ ... کی موجودہ کساد بازاری کا کوئی جواز نہیں ہے۔ موصوف نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ وہ حصہ داروں کو اس بات سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ متعلقہ صنعتوں کے حصص، سامان یا خود خرید و فروخت پر ... ہوگا کہ ...

(بقیہ صفحہ ۔۔)

اخبار مملکت ملنے کے پتے

احمدیہ پریس چار مینار حیدرآباد دکن
دکن بک ڈپو ۔ عابد روڈ
مکتبہ ابراہیمیہ ۔ ۔ ۔ ۔ عابد روڈ
سید مختار محمود ایجنٹ اخبارات معظم جاہی مارکٹ

حیدرآباد کی نو خیز صنعتیں اور محصول زائد نفع اندوزی

آنریبل صدر المہام فینانس کے بیانات

حیدرآباد ۔ ۳ امرداد ۔ ہمارے خصوصی نمائندے نے صدر المہام فینانس سے ان بیانات کے سلسلہ میں ملاقات کی جو اخباروں میں شائع ہوئے اور جن میں یہ کہا گیا ہے کہ مجوزہ ٹیکس زائد نفع اندوزی کا اثر یہ ہوگا کہ حیدرآباد کی نو خیز صنعتیں بری طرح متاثر ہو جائیں گی۔

صدر المہام فینانس نے فرمایا کہ حکومت سے زیادہ اس سے زیادہ کوئی امر جبکہ نہیں ہوسکتا کہ وہ کوئی ایسا قانون بنائے جو صنعتوں کے جائز مفادات کو متاثر کرے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ حکومت ان مشکلات سے بخوبی واقف ہے جو حیدرآباد کو موجودہ حالات میں نئی صنعتوں کے شروع کرنے میں پیش آتی ہیں۔ علاوہ ازیں کئی صنعتیں ابھی ابتدائی منازل میں خود حکومت کے حصص کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ مسودہ قانون محصول زائد نفع اندوزی کی تکمیل میں یہ احتیاط برتی گئی ہے کہ مناسب توازن قائم رکھا جائے تاکہ حیدرآباد کی صنعتوں کی ترقی میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔ اور اس کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ صنعتوں کو اس کا بھی موقع ملتا رہے کہ وہ مابعد جنگ کے حالات کا اعتماد اور کافی وسائل کے ساتھ مقابلہ کی صلاحیت پیدا کرسکیں۔ یہ نکتہ ان صنعتوں کی جانب سے پیش کیا گیا تھا اس پر حکومت نے ہمدردانہ طریقہ سے غور کرلیا ہے۔

(۲) جب ہمارے نمائندے نے دریافت کیا کہ بازار کی یہ خواہش ہے کہ تجارت اور حکومت کے زیر نگرانی یا زیر قیادت وہ صرف اور صرف ہی اپنے حیدرآباد کی کمپنیوں کے حصص فروخت کرنے کا ارادہ رکھتی ہے تو صدر المہام فینانس نے اس بیان کی صحت سے قطعی انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ حکومت حیدرآباد اپنے حصص کو جو حیدرآباد کی صنعتوں میں ہیں فروخت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔

(۳) اس سوال کے جواب میں کہ آیا محصول زائد نفع اندوزی کے مجوزہ نفاذ سے حیدرآباد کی صنعتی اشیاء کی خیر مارکٹ میں کساد بازاری پیدا ہوگئی ہے صدر المہام فینانس نے فرمایا کہ حکومت نے چند ماہ قبل صنعتی اشیاء کی کسی قدر غیر واجبی طور سے بڑھی ہوئی قیمتوں کے خلاف جو اس وقت سٹہ بازوں اور اشیاء کا آئندہ نرخ بڑھتا کے رجحان کے باعث بازار میں جاری تھیں تنبیہ کی تھی۔ اب حکومت کو اطلاع ملی ہے کہ سٹہ بازوں کے حصص کی ایسے سٹہ بازوں کے حصص میں اپنا کام شروع کردیا ہے جو نرخ گرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بینک کی ساورہ ۔۔

بیدر کے تاریخی آثار

نشری تقریر جناب عبدالمجید صاحب صدیقی پروفیسر جامعہ عثمانیہ

ذیل میں مولوی عبدالمجید صاحب صدیقی کی نشری تقریر کے چند اہم اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔

بیدر دکن کے مشہور تاریخی مقامات میں سے ہے جہاں صدیوں کے تاریخی آثار پائے جاتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ آثار قدیمہ صرف ان مقامات میں زیادہ پائے جاتے ہیں جو کسی زمانہ میں راجہ مہاراجاؤں اور بادشاہوں کے پائے تخت رہے ہیں، کیونکہ مرکز سلطنت ہونے کی وجہ سے یہ مقامات نہ صرف بادشاہوں بلکہ تمام طبقات رعایا کی پناہ گاہ ہوتے تھے اور تمام ذہنی اور اخلاقی سرگرمیاں یہیں ختم ہوتی تھیں اور یہ سرگرمیاں آج بھی یا تو عمارتوں کی شکلوں میں موجود ہیں۔ یہاں فرمانرواؤں اور بادشاہوں نے تمدن کی تعمیر میں خاطر خواہ حصہ لیا لیکن اس سرمایہ میں دوسرے طبقوں کا اضافہ بھی ہے۔ اور چیزوں کے تعلق سے تعمیرات تعمیری صورت میں یہ تمدنی سرگرمیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ جیسے شاہی محلات، مدرسے، مسجدیں، مقبرے وغیرہ موجود ہیں۔ کہیں کہیں یہ یادگاریں زمانے کے دست برد سے خراب ہو گئیں اور بعض جگہ بالکل نابود ہو گئیں لیکن اکثر جگہ باقی ہیں جو اپنے زمانے کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ بیدر بہت بڑا تاریخی مقام ہے۔ قدیم تاریخی اور آثار قدیمہ کے اعتبار سے اس کو ایک ممتاز جگہ دی جا سکتی ہے۔ اس کا تاریخی پس منظر اس وجہ سے زیادہ پر مغز اور شاندار ہے کہ قبل اسلامی زمانے کے دھندلے نقشوں کے علاوہ وسطی زمانے کی بہت سی یادگاریں یہاں ہیں۔ پتہ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں بھی یہاں ایک راجدھانی تھی۔ اس زمانے کے نہ صرف چند تعمیری نقوش ملتے ہیں بلکہ بعض اچھی یادگاریں ہیں۔ مثلاً بانت تیرتھ، جو بارہ اور مشرق کا مندر اور چیتنیہ وغیرہ۔ چھٹی صدی عیسوی سے جب دکن میں چالوکیہ اور راشٹرکوٹ سلطنتیں قائم ہوئیں تو بیدر میں بھی سیاسی تحریکیں پہنچ گئیں۔ قیاس یہ ہے کہ بیدر چالوکیہ اور راشٹرکوٹ سلطنتوں کا ایک موزوں مستقر ضرور رہا ہوگا کیونکہ نہ صرف مدافعتی اغراض کے لئے اس کا موقع اچھا ہوتا ہے بلکہ تلنگانہ، کرناٹک اور مرہٹواڑی کا سنگم بھی ہے کیونکہ یہاں تینوں اجزاء کے حدود ملتے ہیں اور تینوں تہذیبوں کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

چودھویں صدی کے اوائل میں دکن میں ترکوں کی عملداری قائم ہوئی تو بیدر پر بھی تغلق بادشاہوں کا علم نصب ہو گیا۔ بہمنیوں نے پہلے گلبرگہ کو اپنا پایہ تخت بنایا تھا جو تقریباً ایک صدی تک سلطنت بہمنی کا عظیم الشان مرکز بنا رہا جہاں سے نہ صرف سیاست و تمدن کے بیش بہا سبق سکھائے گئے بلکہ علم و اخلاق کے بہترین چشمے رواں کئے گئے۔ اس ایک صدی کے دوران میں بیدر کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ غالباً لوگ اس کو ایک چھوٹے قصبے کی حیثیت میں جانتے تھے مگر عجیب اتفاق ہے کہ پندرہویں صدی کے اوائل میں بہمنی ریاست کی راجدھانی بیدر میں آ گئی تھی اور اس کو ایک حادثہ ہی سمجھنا چاہئے۔ اگر احمد شاہ ولی بہمنی اور فیروز شاہ کی سیاسی کشمکش نہ ہوتی تو قرینہ یہ ہے کہ گلبرگہ ہمیشہ کے لئے دکنی سیاست اور تمدن کا گہوارہ بنا رہتا اور بیدر کو کوئی تاریخی اہمیت حاصل نہ ہوتی۔ احمد شاہ نے اپنے بھائی فیروز شاہ سے لڑنے کے لئے بیدر کے قرب و جوار میں اپنی فوجیں جمع کی تھیں اور جب وہ اس کشمکش حیات میں کامیاب ہو گیا تو ایک فال نیک کے طور پر بیدر کو ہی اپنا پایہ تخت بنایا کیونکہ اس کے قرب و جوار سے احمد شاہ کو یہ کامیابی حاصل ہوئی تھی۔

قدیم اور وسطی زمانہ میں شاہی محلات عموماً قلعے کے اندر بنائے جاتے تھے تاکہ پہلے بادشاہ اور اس کی مرکزی حکومت کی حفاظت ہو سکے کیونکہ بادشاہ سلطنت کا محور ہوتا تھا اور سلطنت کی بقا بادشاہ کی ذات پر منحصر تھی۔ جب تک بادشاہ محفوظ ہوتا تھا تو سلطنت باقی رہتی تھی۔ اس لئے بادشاہ کی ذات کا نقصان تمام ملک کا نقصان تھا۔ بہمنی بادشاہوں نے قلعے کے اندر اپنے محلات بنائے تھے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ بہمنیوں کے جانشینوں نے اکثر محلات مسمار کر دیئے تاکہ بہمنیوں کی شوکت نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ احمد شاہ ولی کے تعمیر کئے ہوئے عظیم الشان محل اور دربار ہال اکثر و بیشتر منہدم ہو گئے۔ ان کے بعض کھنڈروں سے اس بادشاہ کی بلند خیالی اور تمدنی ذوق کا پتہ چلتا ہے۔ بعض دربار ہال جو زمین میں دبے ہوئے تھے اب باہر نکالے گئے ہیں اور ان کی ٹوٹی ہوئی دیواریں اور فرش نمایاں ہوتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ دیواروں پر دیدہ زیب چینی کے نقش و نگار تھے، اور فرش و ستون بالکل سیاہ اور شفاف تراشے گئے تھے۔ احمد شاہ ولی کا جو محل کچھ دیواروں اور ستونوں کے ساتھ باقی رہ گیا ہے وہ مشہور "تخت محل" ہے اگرچہ یہ بھی ایک کھنڈر کی صورت میں پایا جاتا ہے تاہم اس کے شکستہ در و دیوار اور نقش و نگار سے احمد شاہ کی عظمت کا ثبوت ملتا ہے۔ اول تو اس کا محل وقوع نہایت دلچسپ ہے کیونکہ یہ ایک بلند مقام پر ہے اور اس کے نیچے کئی سو فٹ کا نشیب ہے۔ اس محل کے دروازوں اور دریچوں سے جو مغرب کی جانب کھلتے ہیں دیکھا جائے تو ایک دلکش منظر نظر کے سامنے آتا ہے۔ پھر اس محل کی بڑی دیواریں اور چھت اس قدر پر عظمت ہیں کہ دیکھنے والوں پر رعب پیدا ہوتا ہے۔ اس محل کا دروازہ بھی باقی رہ گیا ہے جس پر چینی کے نقش و نگار ہیں۔ غالباً اسی محل میں بادشاہ کا تخت فیروزہ رکھا جاتا ہوگا اور یہاں بادشاہ دربار کرتے تھے۔ اس محل کی توصیف میں شیخ آذری نے مشہور قطعہ لکھا تھا اور ہزاروں روپے اس کو انعام میں ملے تھے۔

چہ قصر است ایں کہ از فرط عظمت
آسمان سدہ ازپایہ این درگاہ است
آسمان ہم نتوان گفت کہ ترک ادب است
قصر سلطان جہاں احمد بہمن شاہ است

ان محلات کے قریب احمد شاہ کی بنائی ہوئی ایک بڑی مسجد بھی ہے۔ اس کے عرض میں دالان در دالان ہیں اور چھت خوشنما ستونوں پر قائم ہیں اور جب سولہ ستون ہیں جو محراب اور ممبر کے دونوں طرف قائم کئے گئے ہیں کچھ اسی وجہ سے اس مسجد کو سولہ کھمبے کی مسجد کہتے ہیں۔ چھت پر جگہ جگہ گنبد ہیں۔ درمیانی حصہ میں جہاں امام کھڑا ہوتا ہے ایک بلند گنبد ہے۔ گنبدوں کی بلندی سے اس کی عظمت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ اس مسجد کے قریب محل اور طرز تعمیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورتوں کی عبادت کے لئے بنائی گئی تھی۔ اگر یہ صحیح نہیں ہے تو اس کے دونوں طرف برقعہ پوش عورتوں کی نشست کا انتظام کیا گیا تھا تاکہ وہ بھی پردہ میں رہ کر علیحدہ عبادت کر سکیں۔ تخت محل اور مسجد کے علاوہ قلعے کے دروازے کے قریب دوسرے محلات بھی ہیں جو رنگین محل، گگن محل، چینی محل اور دیگر محل کہلاتے ہیں۔ یہ محل محمود شاہ بہمنی کے عہد میں تعمیر ہوئے تھے۔ رنگین محل تو بہت ہی عظیم الشان ہے اور کسی حد تک اچھی حالت میں ہے۔ اس کے علاوہ تعمیری لطافت اور اس کا منبت کاری، نقش و نگار اس زمانے کے ذوق کو ظاہر کرتا ہے۔ جب بیدر بہمنیوں کے قبضے سے نکل گیا تو بریدشاہیوں نے اس کو بڑی وسعت دی اور بہمنی محلات کو چھوڑ کر اپنے محلات علیحدہ بنائے جو قلعے کے دروازے سے متصل واقع ہیں۔ لیکن ان محلات میں کسی قدر وسعت اور بلند خیالی نہیں پائی جاتی۔ ان میں ایک محل ہے جس کا دروازہ اور دریچے بہت تنگ ہوتے ہیں۔ لیکن ان محلات کی چھتیں بہت پست ہیں جن سے شاہی ذوق و جمال کا اظہار نہیں ہوتا۔

قلعے اور محلات کے علاوہ ایک اور قدیم عمارت مدرسہ محمود گاواں کی ہے جو تقریباً پانچ سو برس قبل کی ہے۔ یہ مدرسہ بہمنی سلطنت کے مشہور وزیر خواجہ محمود گاواں کا تعمیر کیا ہوا ہے جس کی شکستہ عمارت میں تعمیر کی خوبی اب بھی نمایاں ہے۔ یہ بہت بڑا عالم و دانشمند تھا اور خدمات کے ساتھ اپنے ملک کی بڑی خدمت کی تھی۔ یہ مدرسہ اس کی علم پروری کی زندہ یادگار ہے۔ اور عمارت فن تعمیر کا ایک نایاب نمونہ ہے۔ اول تو اس کی تعمیر کا انداز صنعت سے خالی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ جس مقصد کے لئے یہ عمارت بنی تھی وہ بھی جگہ بہت سراہنے کے قابل ہے جہاں طلبہ رہتے تھے کے طول و عرض میں کمرے، مسجدیں اور مقبرے قریب پائے جاتے ہیں لیکن اب ان کا کچھ پتہ نہیں ہے اور بہت خالی جگہ ہے۔ مدرسہ محمود گاواں کی ...

باقی صفحہ ...

انسدادِ گرانیِ اجناس

چند قابلِ غور تجاویز

اجناسِ خوردنی کی گرانی کے انسداد سے متعلق مولوی سید عارف الدین صاحب سابق چیف انجینیر کا ایک طویل مضمون معاصر رہبرِ دکن میں شائع ہوا ہے جس میں چند تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ ذیل میں ان تجاویز کے چند ضروری اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔ ”ملت“

باوجود ان تمام کوششوں کے جو اس وقت تک انسدادِ گرانی کے لئے کی گئیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی اس لئے حکومت ہند ایک اور کوشش کرنا چاہتی ہے اور اخباروں سے یہ معلوم ہوا کہ دہلی میں ایک کانفرنس عہدہ داران اور غیر عہدہ داران کی جولائی میں اس غرض کے لئے ہونے والی ہے اور ہماری حکومت بھی اس پر غور کرنا چاہتی ہے۔ جیسا کہ صدر المہام بہادر فینانس کے بیان سے ظاہر ہے۔ پبلک کے متعدد سربرآوردہ حضرات بھی اس مسئلہ پر کچھ مہینوں سے غور و فکر کر رہے ہیں اور پبلک کی طرف سے کچھ رزولیوشن بھی پاس ہوئے ہیں اور چندہ بھی جمع کیا جا رہا ہے۔ بہرحال مسئلہ گرانی اس قدر مصائب کا باعث ہو چکا ہے کہ وہ ہر شخص کو اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے اور ہر غور و فکر کرنے والا شخص اس مسئلہ کے حل کی تلاش کر رہا ہے۔ اس پر صحیح رائے قائم کرنے کے لئے بہت کچھ مواد کی ضرورت ہے جو اس وقت دستیاب نہیں ہے جس کے بغیر کوئی مکمل رائے نہیں قائم کی جا سکتی۔ تاہم موجودہ معلومات کی مدد سے میرے جو خیالات ہیں ان کو میں پبلک اور حکومت کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں اس امید پر کہ شاید اس میں سے کوئی بات حلِ مسئلہ کے حل میں مفید ہو سکے۔

سب سے اول ہم کو مختلف اشیاء کی گرانی کے مختلف اسباب کا صحیح علم حاصل ہونا چاہئے۔ عام طور پر تو اصولاً اس کے تین وجوہ ہیں۔

(۱) پیداوار میں تو کمی نہ ہو مگر مانگ میں بہت زیادتی ہو جائے۔

(۲) مانگ قائم رہے مگر پیداوار میں کمی ہو جائے۔

(۳) اس امید پر کہ آئندہ مانگ بڑھ جائے گی یا پیداوار کم ہو جائے گی لوگ پیداوار روک لیں اور بازار میں نہ لائیں۔

وجہ نمبر (۱) ان اشیاء پر منطبق ہوتی ہے جو ملک میں پیدا ہوتی ہیں۔ مگر زیادہ تر حصہ ان کا باہر جاتا ہے۔ ملک کے باہر مانگ کی زیادتی گرانی کا باعث ہے اگر ملک کے اندر ہی ان کی مانگ کافی ہے اور گرانی سے پبلک کو بہت تکلیف ہو رہی ہے تو اس کے سدِ باب کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک تو ملک کی پیداوار اور اندرونِ ملک اس کے خرچ کا قریب قریب صحیح اندازہ لگایا جائے۔ دوسرے برآمد کے ناجائز طریقوں کو قوت سے بند کیا جائے۔ تیسرے جائز طریقہ پر نگرانی معقول رکھی جائے۔ چوتھے پیداوار کو ممکن ہو سکے تو بڑھایا جائے۔ جب تک یہ معلوم ہو کہ ملک میں کس قدر مال پیدا ہوتا ہے۔ کس قدر موجود ہے اور کتنا خرچ ہوتا ہے اور کتنا باہر لے جایا جا سکتا ہے برآمد پر صحیح نگرانی نہیں ہو سکتی اگر یہ معلوم ہو کہ باہر بھیجنے کے لئے ملک کی ضرورت کو کم کرنا ضروری ہے تو پھر یہ معین کرنا چاہئے کہ ہم کس حد تک اپنی ضروریات کو کم کر سکتے ہیں۔ کم کرنے کا واحد علاج راشن ہے یا اس شے کے بجائے کسی اور شے کا استعمال۔ قبل اس کے کہ ہم راشن قائم کریں یہ بھی جانچنا ضروری ہے کہ پیداوار میں اضافہ کی صورتیں نکالی جا سکتی ہیں کہ نہیں۔

وجہ نمبر (۲) ان اشیاء پر منطبق ہوتی ہے جو زیادہ تر باہر سے ملک میں آتے ہیں یا قحط سے یہ وجہ پیدا ہوتی ہے۔ اس کا علاج برآمد کو روک دینا اور درآمد کے وسائل فراہم کرنا اور اگر ممکن ہو سکے تو ملک میں اس کو پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہے۔

نمبر (۱) اور (۲) کے ساتھ نمبر (۳) بھی شامل ہو جائے جیسا کہ اب ہے تو اس کا علاج بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ خصوصاً یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے کہ کس شخص نے کس قدر سامان آئندہ منفعت کی غرض سے روک رکھا ہے اور خاص کر جبکہ کاشتکار اور تجار ایسا کریں جن کی تعداد لاکھوں ہوگی۔

ان اصولی مباحث کے بعد چند عملی تجاویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ خشک اجناس مثلاً گیہوں جوار، باجرہ کو اگر پانی دیا جائے تو بہت سی زمینات ایسی ہیں کہ ان میں پیداوار کم از کم دگنی ہو جاتی ہے۔ چاول تک میں کافی نہیں ہوگا۔ آئندہ آبپاشی کے تحت صرف چاول ہی نہیں اگائے جائیں گے بلکہ گیہوں، جوار، باجرہ وغیرہ کو بھی پانی دیا جا سکے گا تاکہ پانی کے ذریعہ پیداوار زیادہ سے زیادہ کی جائے۔ ایسے کاموں کے لئے ان دنوں قرض آسانی سے مل سکے گا۔ سنا جا رہا ہے کہ امسال آمدنی کی توقع سے زیادہ ہوئی اور قریب ایک کروڑ کی ہے بحیثیت مجموعی ممکن ہے دو کروڑ یا اس سے کچھ زیادہ رقم زائد حاصل ہو جائے۔ اگر یہ صحیح ہے تو نئے صدر المہام بہادر فینانس کے لئے قابلِ مبارکباد ہے کہ ان کے پہلے ہی سال میں ایک بڑی رقم ان کو منفعت کی

یہی صرف کرنے کے لئے مل جائے گی۔ اس زائد آمدنی میں سے اگر ایک کروڑ روپیہ تو فوراً آبپاشی کے لئے مخصوص کر دیا جائے تو غالباً قرض کی بھی نوبت نہ آئے گی۔

۱۹۴۳ء کی رپورٹ اعداد و شمار میں حسبِ ذیل اعداد قابلِ غور ہیں۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۵۳۳)

۱۔ جملہ رقبہ کاشت شدہ	۲۴۳۴۱۶۵۰
۲۔ رقبہ افتادہ جس پر پہلے کاشت ہو چکی ہے۔	۴۷۴۴۳۰۱۶
۳۔ رقبہ قابلِ کاشت جس پر ابھی تک کاشت نہیں ہوئی اور جو جنگل سے علٰحدہ ہے۔	۲۵۰۰۹۳۲

اس طرح سے جملہ رقبہ جو جدید کاشت کے لئے مل سکتا ہے ۴۳۶۶۷۵ ۲ نکلتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ اگر کوشش کی جائے تو بہت سا رقبہ خشکی کے لئے مل سکتا ہے۔ مگر اس کے لئے بیل، سامان اور آدمی چاہئے۔ آیا اس رقبہ کو کاشت پر اٹھانے کا انتظام کیا جا سکتا ہے اور اس کے لئے کون سے زمینات سب سے زیادہ موزوں ہیں اور ان کا رقبہ کیا ہے دریافت طلب ہے اور یہی وقت کا سب سے اہم مسئلہ ہے اور تحقیقات و غور و فکر کا محتاج ہے۔ اس پر فوری اور معقول توجہ ہونا چاہئے۔

دوسری تجویز جس کی حکومت نے سال گذشتہ کوشش کی اور اس سال بھی ضرور کوشش کرے گی یہ ہے کہ روئی وغیرہ جیسے اجناس جو بطورِ غذا کام میں نہیں آتے ۔۔۔۔ کم کر کے ان زمینات کو غذائی اجناس پیدا کرنے میں استعمال کیا جائے۔ مگر اس کے ساتھ غالباً یہ بھی دیکھا گیا ہوگا کہ روئی وغیرہ کی اتنی کمی نہ ہو جائے کہ کپڑے کی ضرورت کو پورا نہ کر سکے۔

ملک میں شکر کی ضرورت تقریباً ۳۵ ہزار ٹن سالانہ کی ہے مگر ہندوستان سے باہر اس کی مانگ ہے اور جنگ کی وجہ سے خود ہندوستان میں اس کی ضرورت بڑھ گئی ہے۔ کارخانہ شکر سازی بودھن تقریباً ۱۰ یا ۱۱ ہزار ٹن پیدا کرتا ہے۔ اگر شکر کا باہر بھیجنا بالکل موقوف کر دیا جائے اور شکر کا راشن جو اب جاری کیا گیا ہے معقول انتظام پر قائم ہو تو جو تھائی کی زیادہ تکلیف دہ نہ ہوگی۔ یہ وقت ہے کہ گڑ اور لال شکر کی تیاری کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ گڑ کی برآمد کو روکنا اور شکر کی پیداوار کو بڑھانا نہایت ضروری ہے۔

اناج کے بعد دالیں، مرچ اور املی کی اہمیت ہے۔ ان کے متعلق بھی پیداوار اور خرچ کا اندازہ لگانا ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی یہ معلوم کیا جائے گا کہ کس حد تک برآمد پر قیود حائل کئے جائیں۔ کیا درحقیقت یہ چیزیں بھی کوئی معقول وجہ سے گراں ہوئی ہیں یا محض اندرونی کاشتکاروں ان کی گرانی کا باعث ہے معلوم کرنا ضروری ہے۔ اس کے متعلق بڑی حد تک یوں معلومات حاصل ہو سکتی ہے کہ مختلف مقامات دریافت سے یہ معلوم کیا جائے کہ جہاں تک دالوں اور مرچ کا تعلق ہے ان کی کاشت کا رقبہ اوسط سے زیادہ ہے یا کم ہے اور ان کی پیداوار کیا حاصل ہے۔ حسابِ

بقیہ ملاحظہ ہو صفحہ (۹)

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

حکومت کے اعلامیہ سے طبقۂ تجار کے احساسات مجروح ہوئے ہیں۔ (خان بہادر احمد علاؤالدین)

خان بہادر کو یہ خبر نہیں کہ طبقۂ تجار کی نفع اندوزی سے کتنے متوسط طبقہ کے افراد کی جیب مجروح ہوئی، کتنی بیواؤں کی مختصر سی پونجی مجروح ہوئی اور فاقوں کی وجہ سے کتنے غریبوں کی صحت مجروح ہوئی۔

سرمایہ دار حلقوں سے زیادہ متوسط طبقوں پر اس قانون کا اثر پڑے گا جنھوں نے اپنی بچت مختصر کر کے سرمایہ کی کمپنیوں میں لگا رکھی ہے۔ (خان بہادر)

خان بہادر متوسط طبقوں کی وکالت کی زحمت گوارا نہ فرمائیں۔ اگر سرمایہ داروں ہی کی وکالت وہ کامیابی کے ساتھ کر لیں تو غنیمت ہے۔ متوسط طبقے اپنی فکر آپ کر لیں گے۔ چنانچہ ان طبقوں نے بہ بانگ دہل محصول زائد نفع اندوزی کی تائید کر دی ہے اور وہ اپنے مفاد سے خوب واقف ہیں۔

قانون محصول زائد نفع اندوزی اس ابتدائی جدوجہد کو بھی ختم کر ڈالے گا جس کی وجہ سے حیدرآباد کی صنعتی زندگی میں جان سی پڑ گئی تھی۔ (خان بہادر)

اگر حکومت اس قانون کو واپس لے لے تو ہمیں ڈر ہے کہ خان بہادر اپنی ابتدائی جدوجہد کو ختم کر کے کہیں بھی کارساز نہیں اور اہل ملک علاؤالدین کی برف، علاؤالدین کی آئسکریم اور علاؤالدین کے سوڈا واٹر سے محروم نہ ہو جائیں۔

یں آخر میں حکومت سرکار عالی سے پرخلوص التماس کروں گا کہ وہ مجوزہ قانون پر مکرر غور فرمائے۔ (خان بہادر احمد علاؤالدین)

مکرر غور کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ خان بہادر کی طرح حکومت کو بھی علاؤالدین کا چراغ کہیں سے مل جائے۔ اور یہ چراغ اگر مل گیا اور ہر دولت کی دیوی آموجود ہوئی۔ یہ ہو جائے تو پھر کسی ٹیکس کی ضرورت نہ ہوگی۔ کیا خان بہادر اس خصوص میں حکومت کی کوئی رہنمائی فرما سکتے ہیں؟

حکومت سرکار عالی نے صنعت و حرفت کو فروغ دینے کے لئے انڈسٹریل ٹرسٹ فنڈ کے نام سے ایک کثیر رقم کا فنڈ قائم کیا۔ (مولوی لائق علی صاحب)

کیا واقعی؟ ہم تو سمجھ رہے تھے کہ حکومت صنعتوں کو تباہ و برباد کرنا چاہتی ہے۔

نظام شگر فیاکٹری کے ۸۰ لاکھ اجرا شدہ سرمایہ میں سے بمشکل دس فیصد حصص پبلک میں فروخت ہوئے اور باقی رقم کی ذمہ داری انڈسٹریل ٹرسٹ فنڈ سرکار عالی کو لینی پڑی۔ (مولوی لائق علی صاحب)

حکومت کی کم فہمی میں اب کس کو شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی بنائی ہوئی چیز کو آپ ہی بگاڑ رہی ہے اور اپنے سرمایہ کو آپ ہی مجروح کر رہی ہے۔ حکومت کو چاہئے تھا کہ ان مسائل میں بجائے مولوی لیاقت اللہ صاحب کی لیاقت کے مولوی لائق علی صاحب کی لیاقت سے استفادہ کرتی۔

ایک گستاخ نوجوان نے ہم سے دریافت کیا کہ:

"آخر یہ کیا بات ہے کہ مولوی لائق علی صاحب نے آئینی مشاورتی مجلس فینانس کے رکن کی حیثیت سے قانون محصول زائد نفع اندوزی کے مسودے کی تائید کی اور ایوان تجارت و صنعت کے صدر کی حیثیت سے اس کی مخالفت کر رہے ہیں؟"

ہم نے کہا کہ بیٹا اس وقت تمہاری سمجھ میں آئے گا جب تم بھی بڑے ہو کر تین چار کمپنیوں کے منیجنگ ڈائرکٹر اور انجینئران چیف بن جاؤ گے۔

مقام حیرت ہے کہ راجہ پنالال پتی، سیٹھ کشن لال بدرکا، سیٹھ پنالال لاہوتی، سیٹھ کنگ کشن موہن لال اور سیٹھ سکھ دیو پرشاد نے اب تک محصول زائد نفع اندوزی کے خلاف کوئی تقریر کی اور نہ کوئی تفصیلی بیان شائع کیا۔ کیا بیچارے لائق علی صاحب ہی کو قربانی کا بکرا بننا تھا!

لوگ کہتے ہیں کہ مولوی لائق علی صاحب کی یادداشت کی اشاعت کے بعد جب مقامی کمپنیوں کے حصص کی قیمتیں گرنے لگیں تو گری ہوئی قیمت پر حصص کے خریدنے والوں میں زیادہ پیش پیش وہ سرمایہ دار اور مالکان کارخانہ تھے جو محصول زائد نفع اندوزی کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس حکمت عملی کو سمجھنے کے لئے ریس اور سٹہ کے تجارتی حلقوں میں چند ماہ گزارنے کی ضرورت ہے۔ بیچارے سیدھے سادے حیدرآبادی ان رموز کو کیا جانیں۔

ہم نے سنا ہے کہ ایوان تجارت و صنعت کے حالیہ اجلاس میں جو مولوی لائق علی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا، جب محصول زائد نفع اندوزی کے خلاف قرارداد پیش ہوئی تو متعدد ارکان نے قرارداد کی مخالفت کی۔ کیا مولوی لائق علی صاحب براہ کرم مخالف ارکان کے نام اور ان کی تقریریں شائع فرما کر اہل ملک کو صحیح رائے قائم کرنے کا موقع دیں گے؟

ایک صاحب نے کہا کہ مولوی لائق علی صاحب محصول زائد نفع اندوزی کی مخالفت تو کر رہے ہیں لیکن زائد نفع اندوزی کی مخالفت نہیں کر رہے ہیں۔

ہم نے کہا کہ نفع اندوزی میں زائد اندازی مناسب نہیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض تاجروں نے موجودہ حالات سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ کئی چیزوں کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگی ہیں اور خصوصاً اشیاء خوردنی میں اضافہ عام پریشانی کا باعث ہو گیا ہے۔ (مولوی لائق علی صاحب)

راجہ پنالال پتی، سیٹھ کشن لال بدرکا اور سیٹھ لکشمی نراین تجیروال کو اسی بات پر ایوان تجارت و صنعت سے مستعفی ہو جانا چاہئے۔ بیچارے تاجروں پر ایسا زبردست اتہام۔ توبہ! توبہ!!

اگر حکومت اس طبقہ پر اعتماد کرے اور خدمات کا موقع عطا فرمائے تو یقین ہے کہ موجودہ مشکلات کا حل دریافت کرنے اور ملک کی فلاح و بہبود کے ذرائع معلوم کرنے میں حیدرآباد کے سارے تجارتی اور صنعتی طبقے پوری کوششیں اور وسائل صرف کریں گے اور یہ وقت عمل میں ذمہ داریوں کے پورے طور پر ہوں گے۔ (مولوی لائق علی صاحب)

آپ کچھ نہ کیجئے صرف محصول زائد نفع اندوزی ادا کیجئے۔

کیا عجیب اتفاق ہے کہ مولوی لائق علی صاحب نے مسودہ قانون کی مخالفت سے ابتدا کی اور ترمیمات پر اپنی مخالفت کو ختم کر دیا۔ آخر مولوی لائق علی صاحب چاہتے کیا ہیں؟

حکومت نے زائد نفع اندوزی پر محصول عائد کرنے کی تجویز پیش کر کے ملک میں عجیب و غریب اختلافات پیدا کر دئے ہیں۔ ترجمان ملت کی رائے اور ہندو مسلمین کی رائے میں اختلاف نمایاں ہو گیا ہے۔ مولوی ابوالحسن سید علی اور پنڈت کاشی ناتھ راؤ ویدیہ کا موقف بہت نازک ہو گیا۔ اور زائد نفع اندوزی کی اس کشمکش نے سیاسی جماعتوں کو فرقہ واری بنیادوں سے ہٹا کر صرف معاشی بنیادوں پر صف آرا کر دیا ہے۔

!! بیسویں صدی کی جے !!

محصول زائد نفع اندوزی

صنعتی ترقی پر اثر انداز نہیں ہو سکتا

مجوزہ محصول زائد نفع اندوزی کے متعلق

بعض حلقوں کے لوگوں نے یہ اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ اس کی وجہ سے جدید صنعتوں کے قیام میں دقت ہوگی۔ خصوصاً ان صنعتوں کی بابت جو پہلے سے قائم ہیں اور جن کو بیرونی صنعتوں سے مقابلہ ہے۔ ان کمپنیوں نے بڑے بڑے محفوظات قائم کرنے ہیں جنگ کے بعد وہ کس طرح ان کی زائد میں مقابلہ کر سکیں گی۔ اس کی بیرونی کمپنیوں کے اعداد سے یہ بتلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہاں کے لگائے ہوئے سرمایہ کا ایک بڑا حصہ بطور محفوظ موجود ہے جو جنگ کے بعد وہاں کی کمپنیوں کو مستحکم رکھنے میں کارآمد ہوگا برخلاف اس کے ممالک محروسہ سرکار عالی میں محدود سے چند کمپنیوں کو چھوڑ کر جن کے پاس قابل لحاظ مقدار میں محفوظ سرمایہ ہوگا دوسری کمپنیاں ابھی ابتدائی حالت میں ہیں اور اگر محصول زائد نفع اندوزی حکومت کی جانب سے وصول کیا جائے تو یہ کمپنیاں اس قابل نہیں کی جنگ کے بعد دوسرے ممالک کی کمپنیوں کے مقابلے میں ٹھہر سکیں۔

ف۔ جو مقابلہ کیا گیا ہے وہ کسی صحیح اصول پر مبنی نہیں ہے۔ بیرونی ممالک کی ان کمپنیوں کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے جنہوں نے بہت بڑے محفوظات قائم نہیں کئے ہیں نیز اس معیار کو بھی ملحوظ نہیں رکھا گیا کہ جن بیرونی کمپنیوں کی مثال دی گئی ہے ان کی مدت کارکردگی ہماری کمپنیوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ معلوم کرنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ جن کمپنیوں کے بڑے بڑے محفوظات کا ذکر کیا جاتا ہے ان کا تجزیہ کر کے دیکھا جائے کہ کتنا عرصہ لگا ہے اس وقت تک سال بہ سال کتنی رقم محفوظ میں انہوں نے منتقل کی اور آیا وہ رقم کمپنیوں کے معمولی منافع کا جز تھی یا یہ کہ ان محفوظات کا بڑا حصہ اس زائد نفع اندوزی کے متعلق ہے جو صرف دوران جنگ میں کمپنیوں کو ہوا۔ اگر ایسا نہیں ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ برطانوی ہند کی کمپنیوں نے سال بہ سال سے نہ صرف معمولی انکم ٹیکس بلکہ سپر ٹیکس ادا کئے ہیں بلکہ مصارف ۲۰ فیصد سے کسی بڑی حد تک بھی ادا کیا ہے جس کی مقدار اندازاً ۲۰ روپے تو میرے حساب کر دو ہیں فیصد محصول زائد نفع اندوزی کے نفع کی وجہ سے جدید آنے والی کمپنیوں کو نقصان پہنچے گا درست نہیں ہو سکتا۔ اگر برطانوی ہند کی کمپنیاں انکم ٹیکس سپر ٹیکس اور محصول زائد نفع اندوزی ادا کر کے ترقی کر رہی ہیں زائد محفوظات کو اونچے حد تک پہنچا کر اپنی پوزیشن مستحکم کر سکتی ہیں تو بعض دوران جنگ میں زائد نفع کا ۲۰ فیصد دینے کے بعد

ہمارے یہاں کی کمپنیاں اپنے محفوظات نہیں بنا سکیں گے قابل قبول دلیل نہیں ہے۔

ف۔ سب سے بڑی کسوٹی جس کے معیار پر کسی جدید محصول کو اور کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اس کا نفع یا نقصان جملہ رعایا کے کسی تعداد حصہ پر مترتب ہوگا اگر کسی محصول کا بار رعایا کے ایک کثیر طبقہ پر پڑتا ہو اور اس کے برعکس اس کا منافع ایک ناقابل لحاظ تعداد کو پہنچتا ہو تو یہ کہا جائے گا ایسا محصول رعایا کے مفاد میں نہیں ہے۔ محصول زائد نفع اندوزی جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے صرف ایسے اشخاص سے لیا جائے گا جو اپنی کسی نامحنت کے بغیر حالات جنگ کی وجہ سے نفع بلا مشقت حاصل کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تعداد کم و بیش ۱۴۰۰ ہے جو ایک کروڑ ساٹھ لاکھ باشندگان کا ایک قابل فراموش جزو ہے۔ مجوزہ محصول میں ایک بڑی رعایت یہ رکھی گئی ہے کہ جنگ کے قبل جو اوسط منافع کسی تاجر یا کمپنی کو حاصل ہوتا تھا مستثنیٰ کر دیا گیا ہے اور مستثنیٰ شدہ صورت میں جو زائد منافع دوران جنگ میں حالات جنگ کی بناء پر ہیے غیر مستحق کمپنیوں کو ہوتا ہے اس میں سے بھی ساٹھ فیصد چھوڑ کر صرف ۲۰ فیصد منافع بحق سرکار حاصل کیا جا رہا ہے اور وہ بھی اس لئے کہ جن لوگوں سے یہ منافع حاصل کیا گیا ہے اور جن کی بہبودی کے لئے اس کو صرف کیا جائے اور حکومت کا عمل تو دوسروں کو اطلاقی کمروری پر آزاد ہے یا اصول نظم و نسق سے اس کو بچایا جائے۔

ف۔ ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مجوزہ محصول سے جو آمدنی ہوگی وہ اس قدر کم ہوگی کہ اس سے وہ منافع غریب رعایا کو دے دینے کا ہے وہ کسی قابل لحاظ حد تک پورا نہ ہو سکے گا۔ اگر اس حجت کو تسلیم کیا جائے تو بہت سارے ایسے محاصل سے بھی حکومت کو دست کش ہونا پڑے گا جن کی مقدار معتدبہ نہیں ہے کیونکہ انکساری کر دو گیری اور بیکاری کی آمدنی کو چھوڑ کر بقیہ دوسرے مدات آمدنی منفرد ایسے ہیں کہ ان کی مقدار بہت زیادہ نہیں ہے سوال یہاں مقدار کا نہیں ہے بلکہ اصول کا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ محصولات کا بار صحیح طبقہ پر ٹھیک متوازن طریقہ پر ڈالا جائے جب تک رعایا اور کمپنیاں ملک کے غریب اور متوسط الحال طبقہ سے زائد قیمتوں کی شکل میں منافع حاصل کر رہے ہیں تو ایسے زائد منافع کا ایک حصہ سرکار عالی وصول کر کے غریب طبقات کے بار کو ہلکا کیوں نہ کرے۔

ف۔ بیرون ملک کی صنعتوں کے مقابلہ میں ہماری صنعتوں کے لئے بہترین فضا موجود ہے کیونکہ محصول زائد نفع اندوزی کے ادا کرنے کے بعد بھی جس کی شرح مقابلہ برٹش انڈیا نصف سے بھی کم ہے۔ ہماری صنعتی پیداوار ان ہی قیمتوں پر فروخت ہوتی ہے جس پر برٹش انڈیا کی صنعتیں یہاں آکر بکتی ہیں ظاہر ہے کہ کروڑگیری اور اخراجات حمل و نقل جو بیرونی صنعتوں کو ادا کرنے پڑتے ہیں ان کی وجہ سے ہمارے کارخانوں کو بمقابلہ بیرونی کارخانوں کے زیادہ منافع حاصل ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ ہماری صنعتوں کو بیرونی صنعتوں سے مقابلہ کرنا ہے۔

ف۔ ایک اور امر جو لائق لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں باہمی صنعتوں میں اس درجہ مسابقت نہیں ہے جو بیرون ممالک محروسہ سرکار عالی پائی جاتی ہے حکومت سرکار عالی نے اس امر میں ہمیشہ احتیاط کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ایسی مسابقت کو پیدا نہ ہونے دیا جائے اور وہ اس طرح کیا گیا ہے کہ بعض اہم صنعتوں کو ایک معینہ مدت کے لئے اجارہ دے دیا گیا ہے تاکہ وہ مستحکم بنیادوں پر قائم ہو جائیں۔ مثال کے طور پر بمبئی اور احمدآباد کو اگر لیا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ وہاں متعدد ملیں ایک ہی مقام پر قائم ہیں برخلاف اس کے ممالک محروسہ سرکار عالی میں یہ دو دو میل کے فاصلہ پر قائم ہیں اور ایک کو دوسرے سے اتفاقیہ مسابقت کے مواقع حاصل نہیں ہیں۔

ف۔ جہاں تک چھوٹی اور متوسط درجہ کی صنعتوں کا تعلق ہے وہ کسی طرح اس محصول کی وجہ سے متاثر نہ ہوں گی کیونکہ ایسی چھوٹی صنعتوں کی حد تک (۱۰۰۰۰) چہرہ منافع ناقابل ادائی محصول قرار دیا جا چکا ہے اور ۴۰ ہزار کی مالیت حد بھی تعین کی گئی ہے۔ سرکار عالی نے ایک مخصوص انڈسٹریل ٹرسٹ فنڈ جس کا سرمایہ اس وقت ایک کروڑ سے بھی متجاوز ہے ایسی چھوٹی صنعتوں کی امداد کے لئے قائم کیا ہے جو سال بہ سال سے کامیابی کے ساتھ صنعتوں کو امداد دے رہا ہے۔ مجوزہ محصول کے خلاف جو احتجاج کیا جا رہا ہے وہ صرف ایک خاص طبقہ کی طرف سے ہے جس نے اپنا سرمایہ محدود چند بڑے کارخانوں میں لگایا ہے اگر بڑے کارخانوں کے حصہ داروں کی مکمل فہرست مرتب کی جائے تو واضح ہوگا کہ ایسے کارخانوں کے حصہ داروں کی تعداد ہزار بارہ سو سے متجاوز نہ ہوگی۔ صنعتوں کو فروغ دینے کی آڑ میں جو چیخ پکار کی جا رہی ہے وہ بعض اس لئے ہے کہ جن صنعتوں کے کارخانوں کے حصص خریدے ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ کثیر منافع حاصل کیا کریں جس کی شرح بعض کارخانوں کی صورت میں ۵۰ سے ۱۰۰ فیصد تک رہی ہے چنانچہ حیدرآباد کنسٹرکشن کمپنی نے ۴ لاکھ کے سرمایہ پر سال گزشتہ ۲ لاکھ ۴۰ ہزار منافع کمایا ہے جو ایک سال میں کم و بیش سرمایہ کا ۴۰ فیصد ہوا۔ نظام شوگر فیکٹری نے جس کا سرمایہ ۳۰ لاکھ ہے سال گزشتہ ۱۲ لاکھ ۲۵ ہزار منافع حاصل کیا جو سرمایہ کا ۴۱ فیصد ہوتا ہے۔

ف۔ اگر ان سرمایہ دار اصحاب کی طرف سے

بقیہ صفحہ ۹

حیدرآباد کے تمدنی ماضی کے آثار جدید انکشافات

سررشتہ آثار قدیمہ کی مصروفیات

سررشتہ آثار قدیمہ کی حالیہ مطبوعات کے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں۔ غار ہائے ایلورہ اور اجنٹہ کی دیکھ بھال پر بھی توجہ کی گئی چنانچہ بارش کا پانی بہنے کی وجہ سے ایلورہ کے غار نمبر ۳ کو جو نقصان پہنچا تھا اس کی روک تھام کی گئی اور غار نمبر ۳-۶-۷-۹-۱۰-۱۱ و ۱۴ کے ستونوں اور دیواروں کی مرمت ہوئی۔

اجنٹا میں غار نمبر ۱۶ و ۱۷ کی حفاظت اور صفائی کا انتظام کیا گیا اور اب ایسی متعدد چیزیں بخوبی دیکھی جا سکتی ہیں جو اب تک بہت ہی غیر واضح یا پوشیدہ تھیں۔

ناظم صاحب سررشتہ آثار قدیمہ نے حکومت ہند کے ماہر کتبات ڈاکٹر ان۔ پی چکرورتی بی اے۔ پی ایچ۔ ڈی کے تعاون سے اجنٹہ اور ایلورہ کے کتبات کو مستقل طور پر محفوظ کرنے کے لئے ایک ادارہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ ... اور اعلیٰحضرت بندگان عالی نے بہ نفس نفیس ہم افتتاح ادا فرمائی۔

دلچسپ تلوار

عجائب خانے میں جن اسلحہ جات کا اضافہ ہوا ہے ان میں ایک تلوار بھی شامل ہے جو بہت ہی دلچسپ ہے اس تلوار کے قبضے اور دوگ پر ناگری خط میں تحریریں اور مہابھارت کے مشہور سورماؤں برہما وشنو شیوا اور جیشنو کی تصویریں کندہ ہیں۔ ایک تحریر جو سونے سے لکھی ہوئی ہے بستر مرگ پر ایک سورما کے پیتی کر دہ تعویذ سے متعلق ہے لیکن اس کے پہلو پر جو کہ غالباً پہلے دوسرے قبضے میں لگا تھا عربی زبان میں دعائیہ عبارت اور تلوار بنانے والے کا نام محمد مشرقی کندہ ہے۔

سالانہ رپورٹوں کے علاوہ سررشتہ مذکور نے حسب ذیل مطبوعات بھی مرتب کی ہیں۔ ۱۔ کلید عجائب خانہ حیدرآباد۔ ۲۔ حیدرآباد و مضافات کا نقشہ جس میں تاریخی اہمیت رکھنے والے مقامات ظاہر کئے گئے ہیں۔

۳۔ مملکت حیدرآباد (نظرثانی کیا ہوا ایڈیشن)

۴۔ ہندوستان کے قدیم آثار با تصویر۔ ایک مقالہ جو مولوی غلام یزدانی صاحب ایم اے جامعہ دہلی میں پڑھا تھا۔

اتفاقی انکشاف

علاوہ ہیں جو اہم انکشافات ہوئے ہیں ان میں اتفاقی واقعات کا نمایاں حصہ ہے چنانچہ ایک جگہ دور نے ایک بڑا پتھر توڑتے ہوئے اتفاقاً مورتیاں دیکھیں جو اس کے نیچے چھپی ہوئی تھیں یہ مورتیاں ... ہیں جو موضع ... کے ایک مقام سے ... برآمد ہوئیں اور جن کا تذکرہ سرجان مارشل نے ... کیا ہے۔

آف ... کی بھی جانچ کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں جو چیزیں دریافت ہوئی ہیں وہ بھی سب دریافت شدہ چیزوں سے مختلف ہیں۔ اس کے علاوہ کلورنبش ... چیزیں بھی برآمد ہوئی ہیں۔ مثلاً چاول رکھنے والے مٹی کے ... اور ... مٹی کے ... ٹکڑے ان مجموعوں میں بعض نادر تحت جانی ور برتن بھی شامل ہیں۔

دوسری دریافتیں

تاریخی اہمیت اور دلچسپی کے جو دوسرے مقامات دریافت ہوئے ہیں ان میں بڑے بڑے پتھروں والی ایک پہاڑی ہے جو ... گردہ کہلاتی ہے۔ یہ پہاڑی ... کے جنوب میں واقع ہے اور اس کی بعض چٹانوں پر دیوتاؤں اور انسانوں کی تصویریں کندہ ہیں اور ایک برج نما راستے کے سامنے واقع غاروں میں ... ہوئے برتنوں کے ٹکڑے اور وہ ایک ... پگھلانے کے لئے مٹی کے برتن شکستہ حالت میں پائے گئے ہیں اس سے آثار موجود ہیں کہ یہ مقام ... کے لئے استعمال کی گئی تھیں۔ چنانچہ اس سے کچھ ہی ایک پہاڑی سے پتھروں کے بنے ہوئے بتوں اور چھینوں کی کافی تعداد بھی برآمد ہوئی ہے۔

کونڈہ پور میں ایک تونہ دریافت ہوا ہے جس کی کھدائی سے پاس کے ہوئے اور ... کے برتن دریافت کا میل اور چند دوسری اشیا برآمد ہوئی ہیں اور اندھرا عہد کا ایک سکہ بھی دستیاب ہوا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مقام اندھرا دور سے متعلق تھا۔ شور کے شمال مشرق میں بمقام ... گڑہ جو کھدائی ہوئی ہے اس میں مختلف قسم کے برتن، پتھر کے ... کی ... اور ... برآمد ہوئے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس جگہ قدیم وقت سے آبادی تھی۔ سررشتہ آثار قدیمہ نے جو کھدائیاں کی ہیں ان میں یہ مقامات بہت اہم ہیں۔

اضلاع اطراف بلدہ اور ... آباد ... ورنگل ... اور تلنگانہ میں متعدد اہم مقامات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ چنانچہ ضلع اطراف بلدہ کے ایک موضع ... میں ... کے کچھ مجسمے اور قدیم شہر کے آثار دریافت ہوئے ہیں اور ضلع ورنگل میں بمقام ... ایک مندر کی دریافت بھی بہت اہم ہے اس مندر کے گرد ایک ... چار دیواری بنی ہوئی ہے جو ... کا کتبیاطرز تعمیر کا اچھا نمونہ ہے پالم پیٹ کے بڑے مندر سے کچھ ... جیسے ... کا کتیا عہد کے دو اور مندر دریافت ہوئے ہیں اور اضلاع تلنگانہ اور ورنگل میں قبل از تاریخ زمانے کے متعدد مقامات کا بھی پتہ چلا ہے جہاں ... اور ... موجود ہیں۔ بہر حال قبل از تاریخ زمانے کے متعدد مقامات دریافت ہوئے ہیں اور ... کی ان تمام ... کی باقاعدہ دریافت اور حفاظت کے لئے ایک ... کی گئی ہے جو حکومت کے زیر غور ہے۔

عجائب خانہ بیدر

تھوڑا پہلے کرنل میڈوز ٹیلر کی جو کوٹھی تھی اسے مسافر خانہ بنا کر اس کے ساتھ ایک عجائب خانہ بھی قائم کیا جانے والا ہے جو ... تاریخی زمانے کی نقل اشیا اور خود کرنل ٹیلر کی یادگار چیزوں پر مشتمل ہو گا تاکہ ان کی یاد تازہ رہے۔ اس ضمن میں ناظم صاحب آثار قدیمہ مملکت آصفیہ کے قبل از تاریخ زمانے کی اشیا کے متعلق کرنل میڈوز ٹیلر کی تحریرات بھی مرتب کر رہے ہیں جو اس موضوع پر دلچسپی رکھنے والے اشخاص کے لئے بہت کارآمد ہوں گی۔

گولکنڈہ میں مزار ... مندر کے ... زیادہ خوشنما بنا دیا گیا ہے مندر کی حدود میں ایک بڑی باولی ہے جو مٹی وغیرہ سے بھر گئی تھی لیکن اب وہ صاف کرا دی گئی ہے اور اس طرح چمن کے لئے پانی کی فراہمی میں بڑی سہولت ہو گئی۔ مندر کے شمال مغرب میں جو بڑا احاطہ ہے اس میں صدیوں سے جو ... تھا اب اسے بھی صاف کر دیا گیا ہے۔

ورنگل کے قلعہ میں بکثرت جھاڑیاں تھیں جنہیں صاف کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ آٹھ بڑے مندر کچھ چھوٹے مندر ... اور ایک انبار خانہ کو ملبے اور جھاڑیوں سے صاف کر کے سررشتہ مذکور نے انہیں اپنی نگرانی میں لے لیا ان میں ... گڑی ... اور ... گڑی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

پالم پیٹ میں دو اور مندر جنگل میں دریافت ہوئے ہیں یہ مندر ان کے علاوہ ہیں جن کا تذکرہ مندر پالم پیٹ میں کیا گیا ہے۔ ان مندروں تک کے راستوں کی تعمیر اور ان کی صفائی اور حفاظت کا انتظام کیا جا رہا ہے جھیل کے مشرقی کنارے پر جو مندر واقع ہے اسے بھی صاف کر کے زیر نگرانی لے لیا جائے۔

جدید کتبات

ضلع ورنگل میں کتبوں کا باقاعدہ مطالعہ کرنے کا کام جاری رہا اور حسب ذیل کتبے دریافت ہوئے۔

۱۔ ایلوئی کے مندر کا کتبہ ۲۔ ایلوئی میں تالاب کے بند والا کتبہ ۳۔ ... کے دو کتبے ورنگل سے ۲۶ میل کے فاصلے پر ۴۔ ... کے دو کتبے ورنگل سے ... میل کے فاصلے پر ۵۔ ... کا کتبہ ورنگل سے ۳۰ میل کے فاصلے پر ۶۔ گولکنڈہ میں ... کا کتبہ۔

ایک ... سرکار عالی کے ... کتبوں کے متعلق ایک جامع رسالہ شائع کیا گیا ہے جس میں ... تیرہویں اور چودہویں صدی عیسوی میں دکن کی سرگرمیوں کا تفصیلی ذکر ہے۔ ... زمانے کے ... پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔

عہد آندھرا کے سکے

کونڈا پور میں عہد آندھرا کے ایک ... کی کھدائی کے دوران میں ... کے ...

انسداد گرانی اجناس

(بقیہ سلسلہ صفحہ (۵))

یہ امر کوشش سے معلوم کیا جائے کہ دو سال کے مقابلہ میں امسال گرانی کتنی پیدا ہو گئی ہے۔ دوسری بات دریافت کرنے کی یہ ہے کہ ان کی پیداوار قدر سے قریب معمول کے ہے یا بہت زیادہ۔ اگر ان چیزوں میں معمول سے زیادہ فرق نہ ہو تو یہ سمجھنا چاہئے کہ گرانی مصنوعی ہے اس کا سد باب ہو سکتا ہے۔

گرانی کے صحیح اسباب اور کونسا سبب کس حد تک گرانی میں موجود ہے جب تک معلوم نہ ہو اس کا سد باب صحیح اور موثر طریقہ دریافت کرنا مشکل ہے۔ مگر ہوں اتنا ضرور [illegible] کہ [illegible] ضروری [illegible] ہے [illegible] کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے گرانی لازمی نہیں اور یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ تو ان مسائل کو جنگ کی وجہ سے [illegible] گیا ہے مگر بھی ریاست حیدرآباد میں [illegible] بہت بڑا [illegible] ہیں سمجھتا ہوں کہ اگر ان لوگوں کو سہولت اور صحیح قیمت پر فراہم کی جائے اور [illegible] ضرورت کے مطابق [illegible] [illegible] قائم کی جائے تو فروخت کی [illegible] کرنے والوں پر [illegible] سرکاری [illegible] کے [illegible] آسانی سے [illegible]۔

[illegible] کو ملک [illegible] اور [illegible] ہے مگر [illegible] جاتی ہے اس کی حالت موجودہ [illegible] کی گرانی [illegible] کی وجہ سے اور [illegible] ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل [illegible] اور [illegible] جنگ کے زمانہ میں ہو [illegible] میں [illegible] نہیں [illegible] کیا جاتا ہے۔ ہر شخص جو خرید و فروخت کرتا ہے نفع کمانے کی فکر میں ہے۔ درحقیقت اس قدر گرانی کی کوئی وجہ نہیں [illegible] سرکاری [illegible] گرانی [illegible] [illegible] بہت کم [illegible] گرانی کے [illegible] زیادہ ہونا شروع ہو۔ اور اس مقام پر ایک [illegible] [illegible] [illegible] اور وہ بھی مشکل۔ [illegible] تو [illegible] مقرر کیا جائے تو [illegible] نہیں معلوم ہوتی کہ کیوں کسی کو نقصان ہو۔ البتہ نفع کم ہو گا۔ [illegible] کے [illegible] کوئی وجہ قیمت [illegible] اضافہ کرنے کی نہیں پیدا ہوتی۔ ہر چیز [illegible] کی قیمت اس طرح بڑھتی چلی جا رہی ہے باوجود اس کے کہ ملک کی طرف سے بھی متعدد تدابیر ہوئیں۔ متعدد جلسے اور مختلف تجاویز پیش ہوئیں مگر سب بے سود صرف اس وجہ سے کہ گرانی کی کوئی معقول تجویز [illegible]

[illegible] مرتب ہوئی اور عمل میں آئی۔

[illegible] اول سوال ہے کہ [illegible] کیا کیا جائے [illegible] بہت مشکل اور بہت سا وقت [illegible] کام کرنا ہو گا اس کے لئے میں ذیل کا انتظام ضروری سمجھتا ہوں۔

الف۔ حیدرآباد میں جو مختلف [illegible] انسداد گرانی کے لئے غور و فکر کر رہی ہیں وہ ایک انتظام میں ضم ہو جائیں۔ اس کے تحت ہر ضلع میں ایک شاخ قائم کی جائے۔ ہر ضلع کی شاخ کے تحت ہر تعلقہ میں ایک شاخ قائم کی جائے اور ہر تعلقہ کی شاخ میں ہر طبقہ کے لوگ شامل کئے جائیں۔ اور ان میں [illegible] کا [illegible] اور [illegible] خاص طور سے شریک رہیں۔ تعلقہ کی شاخ کے تحت متعدد کمیٹیاں قائم کی جائیں۔ تعلقے کی جانب اور کمیٹیاں [illegible] کرنے والی ہوں گی۔

ب۔ تعلقہ کی مجلس [illegible] کمیٹیوں کو حسب ذیل کام کرنا ہو گا۔ (۱) یہ معلوم کرنا کہ کسی جنس اپنے کاشت کے وقت کیا قیمت رکھتی تھی یعنی کس قیمت پر ان کو بیچنا ہو گا کہ اسے فروخت کیا گیا۔ اگر یہاں قیمت نہیں تھی تو وسط اور اعلیٰ نرخ کیا تھے۔ یہ رپورٹ تعلقہ اور ضلع کمیٹیوں سے ہو کر مرکز میں حیدرآباد کی [illegible] پہنچ جائے۔

(۲) یہ معلوم کرنا کہ کس شخص کے پاس کس قدر ذخیرہ ہے۔ اس کا مقصد [illegible] یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ ذخیرہ اس سے چھین لیا جائے گا [illegible] مطلب ہو [illegible] پیدا کرنے کے [illegible] کرتا ہے [illegible] حکومت کی [illegible] سے ہو سکے گا۔

(۳) لوگوں پر ذریعہ تقاریر و تحریر پروپیگنڈہ [illegible] ہے [illegible] [illegible] کی جا سکتی ہے [illegible] [illegible] ایک حد سے زیادہ نفع کمانے کا خیال [illegible] کے ساتھ ظلم کرنا ہے۔

[illegible] ضلع کے [illegible] فرائض ہوں گے (۱) جو فرائض تعلقہ کی شاخ کے [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] [illegible] کہ کس جنس کی کس تعلقہ میں کیا قیمت مقرر ہونی چاہئے اور کہاں زیادتی ہے [illegible] صدر مجلس حیدرآباد کو روانہ کرے (۲) صدر مجلس کی ہدایت کے مطابق [illegible] ضلع کے ساتھ پورا تعاون کرے۔ اگر ان سے کوئی [illegible] غلطی ہوئی ہو تو اس کو روکنے کی کوشش کرے۔ اس طرح سے ضلع کے عہدہ داران و ممبران مجالس اضلاع و تعلقات ایک دوسرے کے مددگار ایک دوسرے کے کل پرجہاں تک کہ انسداد گرانی کا تعلق ہے نگراں رہیں گے۔

(د) صدر مجلس حیدرآباد کا حسب ذیل فریضہ ہو گا۔ (۱) تعلقات سے مواد فراہم کر کے اس پر غور کرے کہ کس جنس کی کسی ضلع میں اور حیدرآباد میں کیا قیمت متعین ہونا چاہئے اور ان مسائل میں حکومت کو صحیح مشورہ دے۔ (۲) وہ اپنے تحت مختلف قسم کے بیوپاریوں کی سب کمیٹیاں بنائے اور جس نرخ میں ان سے بھی مشورہ کرے۔ (۳) اس کا تعین کرنے کے بعد کہ کس ضلع میں کس چیز کی زیادتی ہے اور کس چیز کی کمی ہے حکومت کو یہ رائے قائم کرنے میں مدد دے کہ کس [illegible] کی تکمیل کس طرح سے کی جا سکتی ہے۔ چند لوگوں پر اس کا بار نہ پڑنا چاہئے بلکہ جتنا تقسیم ہو اتنا بہتر ہے اس کا لحاظ جتنا چاہئے کہ بار مدد برداشت کے اندر رہے جہاں تک ممکن ہو سکے اس ترتیب سے تقسیم کا مسئلہ آسان ہو جائے گا۔

(۴) پروپیگنڈہ کا پورا مرکز یہیں ہو گا۔ اس کو سب انتظام کرنا پڑے گا اور کمیٹیوں کی نگرانی بھی اس کے ذمہ ہو گی۔ یہ بھی احتیاطاً دیکھنا ہو گا کہ کسی مجلس کا کوئی فرد اس قوت سے جو اسے فرائض کے انجام دینے کی وجہ سے اس کو حاصل ہو گی۔ غلط پروپیگنڈہ کرنے میں استعمال نہ کرے اور کوئی ناجائز فائدہ اٹھائے۔ (۵) اگر اس انتظام کے باوجود غلہ وغیرہ کی سرکاری دکانیں قائم ہوں تو ان کی تقسیم وغیرہ میں حکومت کی امداد کریں۔ موجودہ دکانوں کا انتظام بالکل غیر تشفی بخش ہے۔ یہ انتظام کر خرید نے والوں کو زیادہ دیر انتظار کرنا نہ پڑے کوئی مشکل نہیں اگر حکومت اور پبلک کا تعاون حاصل ہو جائے۔ ایسے انتظامات میں چند باتیں تجربہ سے حاصل کرنا ضروری ہے مثلاً غلہ تقسیم کرنیوالا آدمی ایک گھنٹہ میں کتنے آدمیوں کو غلہ دے سکتا ہے اور اس حساب کی تعداد پر بانٹنے کے لئے انتظامات ضروری ہیں۔

(۶) وہ ایسے پبلک کارکنوں کی فہرست مرتب کریں جو اپنا وقت اس کام کے لئے دے سکتے ہوں اور [illegible] [illegible] [illegible] کہ وہ کتنا وقت کس وقت کے لئے اور کس کام کے لئے دے سکتا ہے۔

(۷) حکومت سے جو مشکل کی نگرانی نرخ کے لئے قائم کیا ہے اس کو قرار رکھنا ہو گا کہ اس کی از سر نو تنظیم درست نہیں معلوم ہوتی ہے جس کی تفصیلات میں اس وقت جانا بہت طول اور وقت طلب ہے ضرورت ہے۔

محصول زائد نفع اندوزی

(بقیہ سلسلہ صفحہ (۴))

یہ تصفیہ کیا جاتا کہ وہ اپنے سرمایہ پر نفع یا جائز شرح منافع پر اکتفا کریں گے جس شرح سے کہ تمسکات سرکاری حال پر سود ادا کیا جاتا ہے تو خود بخود یہ نتیجہ پیدا ہو گا کہ قیمتوں میں تخفیف عمل میں آتی اور زائد نفع اندوزی کے مواقع ہی باقی نہ رہتے اور سرمایہ داروں کی طرف سے ملک کی حقیقی خدمت ہوتی۔ اس سے ایک طرف تو اوسط و غریب طبقہ کے ساکنین کو ضروریات زندگی با آسانی دستیاب ہوتیں اور دوسری طرف نفع اندوزی ہوتی اور نہ زائد نفع اندوزی کا محصول ادا کرنا پڑتا۔

(حفیظ الدین بی اے)

محصول زائد نفع اندوزی کی مخالفت بے سود ہے

از
مسٹر مانک لال گپتا بی اے

حیدرآباد میں اب تک حکومت کے آمدنی کے ذرائع میں محصول مالگذاری، کروڑگیری اور آبکاری کی آمدنی کو دخل رہا ہے۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان آمدنی کے ذرائع سے صرف غریب کسان، مزدور پیشہ یا عوام متاثر ہوتے ہیں اور ایسے اشخاص جن کی آمدنی زیادہ ہے مثلاً جاگیردار یا ساہوکار، تجار، وکلا، حکیم، ڈاکٹر وغیرہ ماہوار یاب خادمین سرکار کسی قسم کی ذاتی محصول سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ صورت کسی طور پر انصاف پر مبنی نہ تھی۔ لہٰذا حکومت کے موجودہ اقدام کہ جنگ کی وجہ سے حاصل شدہ زائد نفع پر ٹیکس لگایا جائے" اس تحریک کو عوام کے مفاد سے دلچسپی رکھنے والے حضرات نے اطمینان کی نظر سے دیکھا۔ لیکن یہ اعتراض صحیح ہے کہ مجوزہ ٹیکس سے صرف تجارت پیشہ اور کسی قدر صنعتی متاثر ہوں گی۔ اور دوسرے طبقہ اب بھی ادائی ٹیکس سے مستثنیٰ رہیں گے۔ لہٰذا صحیح طریقہ کار یہ ہے کہ اولاً انکم ٹیکس نافذ کیا جائے یا کم از کم جاگیرداروں سے ان کے محاصل پر اور اعلیٰ ملازمین سرکار سے ان کی تنخواہوں پر کوئی فیصدی کی عائد کی جائے تاکہ اس اعتراض کا موقع نہ رہے کہ ان طبقوں کو خاص طور سے ٹیکس کی ادائی سے محفوظ رکھا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں ایک زمانہ سے حیدرآباد میں یہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ سرمایہ دار اور تجار اپنی رقومات کو عارضی اور زائد منافع پر لگانا پسند کرتے تھے۔ ان کو مستقل آمدنی کا کوئی خیال نہ تھا۔ صرف مال کو جمع کرکے اس کے بھاؤ بڑھا دینا اور منافع حاصل کرنا یا زائد از زائد سود پر رقم لگا کر اس کی آمدنی پر قناعت تھی یہاں کی تجارت تھی جب سے حکومت نے قانون نافذ کرکے سودخواری پر ضرب کاری لگائی تو عوام میں سٹہ کا رجحان بڑھا۔ ایک طرف چاندی سونے کا سٹہ شروع ہوا اور دوسری طرف اناج کا۔ کچھ لوگ صنعتوں کی طرف رجوع ہوئے اور کچھ نئی صنعتیں قائم ہوئیں۔ جب عادت عوام نے اپنے حصص کو بیچ کر منافع اندوزی کا طریقہ نکالا اور سلطان بازار میں ایک بازار لگ گیا۔ مگر صنعت کی طرف کچھ رجحان نہیں ہوا۔ جس کے سبب ایک طرف تو صنعتی ترقی میں سرمایہ کی کمی کی وجہ سے خاطر خواہ ترقی نہ ہو سکی اور دوسری جانب اجناس کے دام بڑھے اور عوام میں ایک سٹہ کا رجحان پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے ملک کو سوائے نقصان کے اور کسی قسم کا فائدہ نہیں ہوا۔۔۔ اس ٹیکس کے عائد ہونے سے توقع ہے کہ عوام اپنی رقومات بجائے سٹہ میں لگانے کے جس میں نفع کے امکانات کم اور جو اس میں سے بھی فی صد حکومت کو دینا پڑے، صنعتوں میں لگانا زیادہ پسند کریں گے جن میں گو شرح نفع تو کم ہو مگر یقینی اور دیرپا ہوتا ہے۔

صنعتوں کے ساتھ رعایتیں

صنعتوں کو ملکت آصفیہ میں اور خصوصاً اس دور عثمانی میں ہر طرح سے ترقی کرنے کے ذرائع بہم پہنچائے جا رہے ہیں ایک طرف تو محصول کروڑگیری کی وجہ سے یہاں کی صنعتوں کو ایک خاص طرح کی محافظت حاصل ہوتی ہے اور دوسری طرف صنعتوں کے لئے جو آلات وغیرہ درآمد کئے جاتے ہیں ان کو اس محصول سے مستثنیٰ قرار دے کر مزید نفع کے امکانات بہم پہنچائے گئے ہیں اور دوسری جانب حکومت نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ یہاں پر عوام میں صنعتی رجحان کم ہے ایک ٹرسٹ فنڈ قبول کر کے ثابت کر دیا ہے کہ حکومت وقت کی اس اہم ترین ضرورت سے غافل نہیں ہے۔ اب رہ جاتا ہے سوال نفع کا اس کے متعلق صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ یہاں پر اول الذکر تو مقامی بازار میں محصول کروڑگیری کے باعث بیرون ملک کے کارخانہ داروں سے دس فیصد زیادہ منافع ہوتا ہے دوسرے حکومت نے ان کے ساتھ ایک زبردست رعایت یہ برتی ہے کہ جو کمپنیاں دوران جنگ میں قائم ہوئی ہیں ان کو (۲۰) فیصدی رعایت دی ہے یعنے ان کے جملہ منافعوں میں سے (۲۰) فیصد نکال کر (۸۰) فیصد پر ٹیکس عائد کیا جائے گا جس کی وجہ سے ان کو کل ۲۵ فیصد ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور دس فیصد کی بچت مقامی بازار میں ہونے کی وجہ سے اوسط منافع یا نفع میں کمی جو مقامی کارخانوں کو ہوتی ہے وہ کہیں بھی (۲۰) فیصد سے زائد نہیں ہوتی گویا حکومت نے ان کے ساتھ طبقہ تجار کی نسبت پہلے ہی کافی رعایت رکھی ہے اور اس کے مقابلے برطانوی ہند کی صنعتوں کو جن سے ان کو کھلے بازار میں مقابلہ کرنا پڑتا ہے کبھی بھی (۶۶) فیصد سے کم ٹیکس نہیں بھرنا پڑتا ہے اور فی الوقت تو (۹۲) فیصد منافع حکومت کو دینا پڑ رہا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر ہمارے کارخانہ دار اس امر سے ڈرتے ہیں کہ یہ بیرون ممالک کے کارخانہ داروں سے کھلے بازار میں مقابلہ نہیں کرسکتے تو اس کی ذمہ داری کارکنان کمپنی کے منتظمین پر ہے یا تو ان کے اخراجات بہت زیادہ ہیں جن کو کم کیا جا سکتا ہے یا انتظام کی خامیوں کو دور کرنا ان کا اہم فریضہ ہے لہٰذا ایسی صنعتوں کو جو اپنے انتظام اور مقبولیت کی اساس پر قائم ہیں اگر ان پر اگر زائد نفع ٹیکس مناسب شرح سے لگایا جائے تو کچھ زیادہ بوجھ نہیں پڑ سکتا۔ دوسری چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ جنگ کے زمانہ میں جو صنعتیں قائم ہوں۔ ان کی تعداد یقیناً محدود ہوگی اگر ان صنعتوں کو واقعی منافع کے لئے موقع دیا گیا تو جنگ کے بعد یہ صنعتیں قائم رہ کر کسی ان کو موجودہ اداروں کا مقابلہ کرنا سخت مشکل ہوگا اور صرف موجودہ کارخانوں کو ایک قسم کا صنعتی اجارہ حاصل ہو جائے گا جو ملک کی صنعتی نقطہ نظر سے ملک کی اقتصادی ترقی کے لئے مفید نہ ہوگا۔

پس زائد نفع اندوزی ٹیکس کی مخالفت بے سود ہے البتہ اس کی شرح مناسب ہو اور اس کو مستقل اثر نہ دیا جائے ساتھ ہی ساتھ دوسرے طبقوں پر بھی انکم ٹیکس یا کسی قسم کا دوسرا ٹیکس عائد کیا جائے۔

بیدر کے تاریخی آثار

بقیہ سلسلہ صفحہ (۲)

پائی جاتی۔ عمارت کا اگلا حصہ جس پر چینی کا کام اور رنگ آمیزی ہے مختلف طرز پر بنایا گیا ہے اور اس کے دونوں جانب دو بڑے مینار بنائے گئے تھے۔ یہ مینار دونوں سے بلند بنائے گئے تھے تاکہ علم کی فضیلت آنکھوں کے سامنے آئے۔ بجلی کے صدمے سے ایک مینار ٹوٹ گیا ہے۔ عمارت تین منزلہ ہے۔ عمارت کا طول ۲۰۵ فیٹ اور عرض ۱۸۰ فیٹ ہے۔ تعمیر میں مدرسہ کی تمام ضروریات بنائی گئی تھیں۔ جیسے اس میں کتب خانہ۔ عبادت کے لئے مسجد اور درس کے کمرے ہیں جہاں اساتذہ طلبہ کو مختلف مضامین پر درس دیا کرتے تھے۔ اور دوسری عجیب چیز یہ ہے کہ اس میں اساتذہ اور طلبہ کے رہنے کے کمرے بھی ہیں یہ صرف مدرسہ بلکہ ایک اقامت خانہ بھی تھا۔ اور مجموعی حیثیت سے جہاں اساتذہ کے رہنے کا انتظام بھی ہو اس کو ایک جامعہ بھی کہہ سکتے ہیں اور اس کے بانی کا مقصد یہ تھا کہ اس درسگاہ سے ایک وسیع پیمانہ پر علم کی اشاعت عمل میں آئے۔ معمری دلچسپی اور ہوا کا اس قدر عمدہ انتظام ہے کہ گویا ایک زمانہ حال کی عمارت معلوم ہوتی ہے اور اس زمانے میں جبکہ پندرہویں صدی کا آخری زمانہ تھا اشاعت علم کا بہت بڑا مقصد پیدا کرتی تھی۔ اور اس قطعہ سے جو اس مدرسہ کی تعریف میں لکھا گیا تھا اس کا حقیقی مقصد معلوم ہوتا ہے:

این مدرسہ رفیع و محمود بنا

چون کعبہ شدہ وحت قبلہ اہل صفا

آثار قبول بین کہ تاریخش

(از آیت ربنا تقبل منا)

بیدر کے دوسرے آثار بہمنیوں اور بریدیوں کے گنبدیں ہیں۔ جو نہ صرف فن تعمیر کی بڑی یادگاریں ہیں بلکہ تاریخ کے مخزن بھی ہیں۔ بریدی سلاطین کے مقبرے شہر بیدر سے باہر خود بیدر کے سطح مرتفع پر واقع ہیں یہ شہر سے مغرب کی طرف ہیں۔ اگرچہ بریدیوں کے محلات اتنے اچھے نہیں ہیں جو فن تعمیر کاری کے نقطہ نظر سے دیکھے جائیں لیکن گنبدیں مشہور اور دیکھنے کے ہیں۔ یہ بہت بلند کرسی پر تعمیر ہوئی ہیں اور اس میں خاص بات یہ ہے کہ یہ اور گنبدوں کے مقابلے میں بہت بلند اور کھلی بنائی گئی ہیں۔ یعنی گنبد کے چاروں طرف بڑی بڑی کمانیں ہیں جو کھلی ہوئی ہیں اور ان میں دروازے نہیں ہیں۔ اور اپنی جگہ نقش نگاری کا ایک بیانہ ثبوت پیش کرتے ہیں۔ علی برید کا گنبد بہت عالیشان اور قابل دید ہے اس کی بلندی دیواروں میں اندر دیواروں پر مختلف اشعار لکھے ہوئے ہیں۔

جن میں دنیا کی بے ثباتی بتائی گئی ہے اور اشعار پڑھنے سے دل پر عجیب و غریب کیفیات طاری ہو جاتی ہیں۔

حیدرآباد کے تمدنی ماضی کے آثار جدید انکشافات

بقیہ سلسلہ صفحہ (۱)

کاندہ پور میں جو مدفونہ سکوں میں پائے گئے مغربی سترپ سے متعلق ہیں اور یہ سکے پانچ سکے ہیں دو سرے کے اندر دور کے ہیں اور سیسہ تانبہ اور پیتل کی دھات سے بنائے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض سکے تو معلومہ اقسام کے ہیں لیکن اندھرا دور کے ایسے بھی متعدد سکے پائے گئے ہیں جو غیر معلومہ ہیں اور ان سکوں کو منقوش اور غیر منقوش دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے منقوش سکوں میں گوتمی پتر اسری ستاکرنی قسم کا ایک سکہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ غیر منقوش سکے بیچین اقسام کے ہیں۔ دریافت شدہ سکوں سے متعلق عنقریب ایک رسالہ شائع کیا جائے گا۔

---

۲۳ مہ سے شکر کے کوپن اجرا کئے گئے ہیں جو سرکاری ملازم ہیں محکمہ ہذا کو چاہئے تو یہ تھا کہ ایسے حکیموں کا بورڈ بنا جن کے ذاتی دوا خانہ جات ہوں اور جو معمولی دوا خانوں کی حقیقی ضرورت شکر کا اندازہ کر سکیں کیونکہ اکثر بڑے دوا خانوں کو اس مہینہ اتنی کم شکر ملی ہے کہ وہ کسی طرح ان کی ضرورت کو پوری نہیں کر سکتی ہے حالانکہ ہزار ہا مریض یونانی دوا کھاتے ہیں اور بیشتر ان دوا خانہ جات کے مالکوں کی آمدنی کا انحصار دواؤں کی فروخت پر ہو تو کچھ بعید نہیں۔ آتا کہ محکمہ ہذا کی اس قسم کی بے حسی کہاں تک درست ہے۔!

خ ۔ ا

شکر کی تقسیم اور اطبائے یونانی

مراسلت

جناب ایڈیٹر صاحب حکمت

بوجوہ جنگ مغربی طب کی بجائے عوام چونکہ یونانی طب کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اس لئے دوا خانہ جات یونانی میں اور بھی کثرت سے خرچ ہو رہی ہیں یونانی ادویہ زیادہ تر شکر اور مصری سے تیار ہوتی ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ محکمہ نگرانی اجناس ہوٹلوں وغیرہ کے مقابلہ میں دوا خانہ جات یونانی کو شکر کے کوپن دینے میں انتہائی سختی کر دیا ہے اگر گزشتہ ماہ مختلف مراسلوں اور ایڈیٹوریل کی وجہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایک ایسے حکیم صاحب کے مشورہ سے

اشتہار مجریہ عدالت دیوانی بلدہ باجلاس مولوی محمد زین العابدین صاحب ناظم سوم صیغہ بلدہ

سید منظور احمد مدنی درخواستگذار نمبر مقدمہ ۲۱۴ بابتہ ۱۳۵۳ف

بنام

سرکار عالی ذریعہ تحصیلدار صاحب تعلقہ اندرون غرنانی

مدعو علیہ

حصول صداقتنامہ

ہرگاہ عوام الناس کو مطلع کیا جاتا ہے کہ منجانب سید منظور احمد مدنی درخواست حصول صداقتنامہ وراثت پیش ہوئی ہے کہ سائل کے حقیقی نانا مسمی غلام دستگیر صاحب کا انتقال بتاریخ ۳۰ بہمن ۱۳۵۲ف ہوا ہے متوفی کے نام مبلغ ۔۔۔ مابانہ بابت معاوضہ ... تفصیل مذکورہ عطا کرتے تھے۔ تاریخ انتقال مبلغ ۔۔۔ تفصیل مذکور ہیں۔ ورثاء متوفی میں بجز سائل کے اور کوئی وارث جائز نہیں ہے چنانچہ سائل کے نام صداقتنامہ وراثت عطا فرمایا جائے۔ بنظر حصول درخواست مذکور بذریعہ ہذا اشتہار کیا جاتا ہے کہ اگر کسی شخص کو اجرائے صداقتنامہ وراثت میں کوئی عذر ہو تو بتاریخ ۔۔۔ شہریور ۱۳۵۳ف بوقت ساعت اصالتاً یا وکالتاً حاضر اجلاس ہو کر مقدمہ ہذا کی پیروی و جوابدہی کریں بصورت عدم حاضری کارروائی ضابطہ عمل میں آئیگی پھر کسی کا کوئی عذر قابل سماعت نہ ہوگا۔ آج بتاریخ ۲۰ امرداد ۱۳۵۳ف میری دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

مہر و دستخط سررشتہ دار

اعظم پریس چار مینار میں طبع ہو کر باہتمام سید حسن (عثمانیہ) دفتر ملک ... سے شائع ہوا